اپریل 2017، قیمت:- /10₹

www.urducouncil.nic.in

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ
اُردو دُنیا
دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

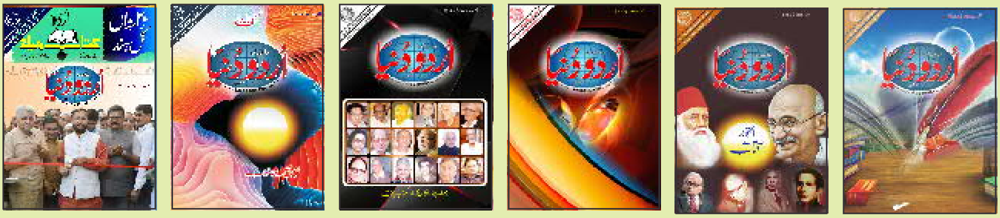

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی
فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
نظم	لفت	متین اچل پوری	06
مضامین	پھل کیسے پکتے ہیں؟	عظیم اقبال	07
	ڈاک خانہ اور پن کوڈ	شرف الہدیٰ	10
نظم	دور کسی اک سیارے سے	صدیق عالم	12
مضامین	والٹ ڈزنی	ایم ایم شیخ	13
	نوٹوں نے طے کیا لمبا سفر	محمد اعجاز	18
	کھیل کامیابی کا ضامن	امتیاز احمد	20
	گفتگو کے آداب	سید عبید اللہ ہاشمی پاتھری	22
نظمیں	پانی	شیخ [illegible] ذاکر	24
	پیڑ پودے	کوثر بھگوت پوری	25
کہانیاں	جادوگر کی سوئی	سید مجیب الرحمن	26
	دوستی	گوہر رفیع شاذ	29
نظم	جنگل میں فیشن پریڈ	عطاء الرحمن طارق	30
کہانیاں	ایک نو یہ ایک انوکھا تیر انداز	عبدالستار	31
	سچی کامیابی	سلیم خان	34
	سبق	نذیر احمد یوسفی	36
باتصویر کہانی	داستان گو آیا ہے	رتن سنگھ	39
قسط وار داستان	قصہ حاتم طائی	حیدر بخش حیدری	43
کہکشاں	پڑھائی میں کامیابی کیسے حاصل کریں	ازکی تزئین سید عرفان علی قادری	49
	یو۔کے، برطانیہ اور انگلینڈ میں فرق	تنویر اختر رومانی	50
	کتاب کا پیغام	اریبہ نایاب سید منیر الدین	51
	اندھوں کا مسیحا : لوئیس بریل	ایم رفیق	52
	مطالعے کے اصول	شیخ آصف محمد	53
	اقوال زریں	انصاری مسعود احمد مختار احمد	53
	آؤ اردو سیکھیں		54
	ہماری زبان		55
	کر بھلا ہو بھلا	حیا صدیقی	57
	پتھر بول اٹھا	محمد تنویر	59
	ہنسی کے غبارے		60
	بچوں کی پینٹنگ		61
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

بچوں کی دنیا

جلد: 5 شمارہ: 4 اپریل 2017

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 11-49539009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ 100/ روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی- 110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! تعلیم کی اہمیت سے آپ سب اچھی طرح واقف ہیں۔ تعلیم ہی ترقی کی کنجی ہے۔ یہی انسان کو ارتقا کی منزلوں سے روشناس کراتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ زور تعلیم پر دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ تعلیم یافتہ معاشرہ کسی بھی سماج کی ترقی کا ضامن ہوتا ہے۔ بچوں کو تعلیم اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بنا سکیں۔ زندگی بسر کرنے کے آداب سیکھ سکیں۔

آپ کو علم ہوگا کہ ہمارے معاشرے میں تعلیم یافتہ افراد کی کتنی عزت اور اہمیت ہے۔ مشرق ہو یا مغرب ہر جگہ تعلیم، خاص طور پر بچوں کی تعلیم پر توجہ دی جاتی ہے تاکہ بچے آگے چل کر معاشرے کا متحرک اور فعال فرد بن کر معاشرے کو ایک نئی سمت دے سکیں اور اپنے اطراف میں پھیلے ہوئے اندھیروں کو دور کر سکیں کیونکہ علم ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے دل و دماغ کو طاقت اور نظر کو وسعت ملتی ہے۔ علم ہی سے آدمی انسان بنتا ہے۔ تعلیم ہماری شخصیت کو سنوارنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ حصول علم کا مقصد بھی یہی ہے۔ مگر آج کے زمانے میں تعلیم حاصل کرنے کے مقاصد بدل گئے ہیں اور لوگوں نے تعلیم کو روزگار سے جوڑ دیا ہے۔ جبکہ تعلیم کا بنیادی مقصد اپنی شخصیت کو سنوارنا اور معاشرے کو بہتر بنانا ہے۔ یہ اور بات کہ بہترین تعلیم سے خود روزگار کے راستے آسان ہو جاتے ہیں، ملازمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور معاشی سطح پر ہونے والی دقتیں اور دشواریاں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔

پیارے بچو! ایک اور اہم بات یہ ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک مقصد ہونا چاہیے۔ اگر آپ نے اب تک اپنا مقصد طے نہیں کیا ہے تو آپ اپنی منزل کا تعین ضرور کریں کیونکہ اس کے بغیر راستے گم ہو جاتے ہیں اور انسان پوری زندگی بھٹکتا رہتا ہے مگر یاد رہے کہ مقصد آپ کی دلچسپی کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگر آپ کو آرٹس پسند ہے تو آپ اپنے لیے اسی موضوع کا انتخاب کیجیے۔ اگر سائنس سے دلچسپی ہے تو پھر سائنس پر ہی اپنے ذہن کو مرکوز کیجیے۔ جب آپ کا کیریئر آپ کے پسندیدہ موضوع سے متعلق ہوگا تو آپ کو زندگی میں مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور اپنے کام میں آپ کو لطف بھی آئے گا۔ موجودہ عہد مقابلے کا ہے، ہر میدان میں بہت سے چیلنجز ہیں اور ان سے نمٹنے کے لیے کڑی محنت شرط ہے۔ آپ محنت کریں گے تو ضرور اپنی منزل تک پہنچیں گے اور کامیابی آپ کا قدم چومے گی۔

'بچوں کی دنیا' میں ہمیشہ کوشش کی جاتی ہے کہ ایسے مضامین شامل کیے جائیں جن سے بچوں کو تحریک و ترغیب ملے اور ان کی صحیح طور پر رہنمائی بھی ہو سکے۔ چنانچہ اس بار بھی ایسے مضامین شامل کیے گئے ہیں جن سے بچوں کو منزل اور مقصد کے تعین میں مدد ملے گی۔ کھیل اور کریئر کے حوالے سے بھی ایک دلچسپ مضمون ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی نصیحت آموز کہانیاں اور نظمیں بھی ہیں۔ یقیناً یہ ساری تخلیقات آپ کو بہت پسند آئیں گی۔ آپ 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ کریں اور اپنی رائے دینا نہ بھولیں۔ ہمیں آپ کی رائے سے روشنی ملتی ہے!

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

'بچوں کی دنیا' روز اول سے پابندی سے مل رہا ہے۔ یہ ایک انتہائی معیاری رسالہ آپ کی فعال ادارت میں نکل رہا ہے جس کی آپ کو دلی مبارکباد عرض خدمت ہے۔

ڈاکٹر ایم ایم شیخ، 15، مولانا آزاد ہاؤسنگ سوسائٹی، روزہ باغ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

سال 2017 کا پہلا شمارہ سائنس کی تفصیلی معلومات دیتا ہوا منظر عام پر آیا۔ 'ارسطو' اور 'لوئی پاسچر' پر نہایت معلومات مضامین نوخیز ذہنوں کی معلومات میں اضافہ کا سبب بنیں گے۔ ان میں کچھ نیا کرنے کا حوصلہ پیدا کریں گے۔ پرندوں پر 'سالم علی' صاحب نے بڑا یادگار کام کیا ہے۔ پرندوں کا جب بھی ذکر ہوگا انھیں ضرور یاد کیا جائے گا۔ غلام حیدر صاحب کی مشہورِ زمانہ کتاب 'پیسے کی کہانی' پر عبدالرشید اعظمی صاحب نے بڑا ہی اچھا تبصرہ لکھا ہے۔ غلام حیدر صاحب کا بچوں کے ادب پر بڑا کام ہے، بڑا نام ہے۔ ننھے قلمکاروں کے لیے وہ برسوں سے تنِ تنہا جدوجہد کر رہے ہیں۔ 'کاغذ کی کہانی' اور 'بادشاہ نوتن خموں' ساتھ ہی سائنس داں محمد خلیل کا مضمون 'نیشنل سائنس سینٹر کی سیر' معلومات مہیا کرنے والے مضامین ہیں۔ غرض یہ کہ اس شمارے کا ہر مضمون اور ہر نظم اس شمارے کو یادگار بناتی نظر آرہی۔

وکیل نجیب، نزد لال اردو اسکول، مومن پورہ، ناگپور، مہاراشٹر

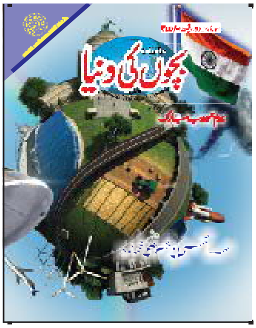

'بچوں کی دنیا' نہایت شاندار اور دیدہ زیب ہے۔ اس کی تعریف و توصیف حقیقتاً سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگی۔

شکیل احمد شکیل، مالیگاؤں، مہاراشٹر

ماہ جنوری کا شمارہ پورے آب و تاب کے ساتھ آیا ہے۔ جلد 5 شمارہ 1 ہے اور اس ماہ سائنس پر خصوصی مضامین ہیں۔

سائنس بذاتِ خود بڑا ہی دلچسپ موضوع ہے۔ یوم جمہوریہ کی مناسبت سے پروفیسر حنیف کیفی اور ریاض انور کی نظمیں شامل ہے۔

جہاں سائنس کے تحت چھ مضامین چھپے ہیں۔ خاور نقیب کی نظم 'سردی آئی شاپنگ کر لیں' بھی اچھی ہے۔ اسلم جاوداں اور طٰہٰ نسیم کی کہانیاں دلچسپ ہیں۔

مجموعی اعتبار سے بچوں کی دنیا کا یہ شمارہ نئے سال کی نگارشات کے ساتھ سائنس پر خصوصی نمبر ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

م ق سلیم

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' یقیناً بچوں کے لیے زبان اردو سکھانے کا ایک جدید ذریعہ ابلاغ ہے۔ یقیناً یہ ایک ایسا معیاری رسالہ ہے جو عروس جمیل در لباس حریر کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کی معلومات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

محمد شہزاد کٹیہار، متعلم جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ

متین اچل پوری

لفٹ

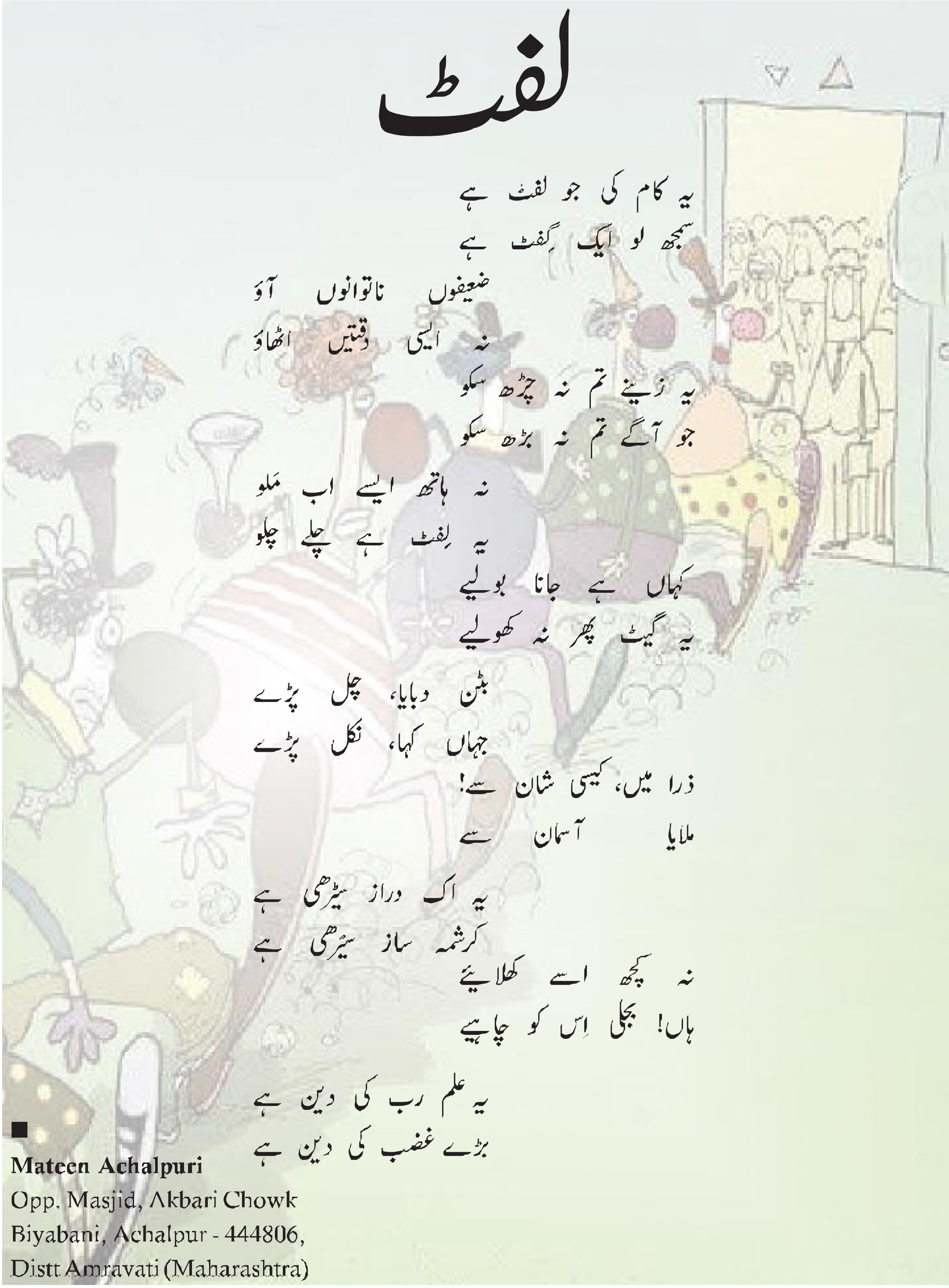

یہ کام کی جو لفٹ ہے
سمجھ لو ایک گِفٹ ہے

ضعیفوں ناتوانوں آؤ
نہ ایسی دقّتیں اٹھاؤ

یہ زینے تم نہ چڑھ سکو
جو آگے تم نہ بڑھ سکو

نہ ہاتھ ایسے اب مَلو
یہ لِفٹ ہے چلے چلو

کہاں ہے جانا بولیے
یہ گیٹ پھر نہ کھولیے

بٹن دبایا، چل پڑے
جہاں کہا، نکل پڑے
ذرا میں، کیسی شان سے!
ملایا آسمان سے

یہ اک دراز سیڑھی ہے
کرشمہ ساز سیڑھی ہے
نہ کچھ اسے کھلائیے
ہاں! بجلی اِس کو چاہیے

یہ علم رب کی دین ہے
بڑے غضب کی دین ہے

Mateen Achalpuri
Opp. Masjid, Akbari Chowk
Biyabani, Achalpur - 444806,
Distt Amravati (Maharashtra)

عظیم اقبال

پھل کیسے پکتے ہیں؟

اردو زبان و ادب کی آبرو اور مغل دور کے یادگار مرزا غالب سے منسوب ایک واقعہ سن لیجیے۔ آپ میں سے کئی اس سے واقف بھی ہوں گے۔

غالب، شہنشاہِ ہند بہادر شاہ ظفر کی صحبت میں شاہی باغ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ شعر و ادب پر گفتگو ہو رہی تھی۔ تاحدِ نظر پیڑوں پر انواع و اقسام کے آم لدے پڑے تھے۔ غالب آموں کو غور سے دیکھتے جاتے، رُکتے اور پھر دیکھنے لگتے۔ شہنشاہ سے پُرتجسس ہوکر دریافت کیا کہ وہ کیا دیکھتے پھر رہے ہیں۔ غالب کا پرتپاک جواب تھا—

"جہاں پناہ! سنا ہے کہ دانے، دانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوا ہے۔ دیکھ رہا ہوں کہ کہیں میرا نام بھی لکھا ہوا تو نہیں!"

جواب سے ظفر مسکرائے اور محظوظ ہوئے۔

اگلے دن شاہی باغ سے آموں کا ٹوکرا خدمت گار کے ہاتھوں غالب کو ارسال کر دیا گیا۔

آپ بتائیے، آپ کو کسی اپنے یا پرائے کے باغ میں پیڑوں پر لٹکے پھلوں پر اپنا نام ڈھونڈنے کی کبھی نوبت آئی ہے؟ اگر ہاں، تو نتیجہ کیا ہوا ہے؟

پیڑ سے لٹکے یا پیڑ سے ٹوٹے، پھل (آم یا دیگر) کچے یا پکے ہو سکتے ہیں—ویسے وہ پکنے پر آئیں تو انھیں توڑنے میں دیر نہیں کی جاتی۔

کوئی شخص کچے اور پکے پھلوں کے درمیان آسانی سے تمیز کر سکتا ہے۔ کچے پھل سخت اور سبز ہوتے ہیں۔ ان کا ذائقہ کھٹا یا تیکھا ہوتا ہے۔ کھٹا یا ترش ذائقہ آرگینک ایسڈز (Organic Acids) کی موجودگی کے سبب ہوتا ہے۔ یہ تیزاب یا ایسڈز (Acids) یہ ہیں—میلک (Malic)، کرائٹک (Critic) اور گارتارک (Gar taric)

مذکورہ ایسڈز میں سے کسی ایک کی بھی موجودگی پھل کے ذائقے کو ہموار کرتی ہے۔ کچے پھلوں میں پروٹین کی مقدار کم ہوتی ہے۔ لہٰذا، ان کی مقبولیت بھی کم ہوتی ہے۔

کچے پھل کھانے سے طبیعت، نیز معدے میں گرانی پیدا ہوتی ہے۔ اس سے کئی طرح کے عارضے پیدا ہوکر تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔ اس لیے کچے پھل کے استعمال سے بچنا لازمی ہے۔

کچے پھلوں کی افادیت یہ ہے کہ انھیں بھون کر شربت بناتے ہیں اور لؤ کے مریض کو پلاتے ہیں۔ اس سے مرض میں افاقہ ہوتا ہے۔ لُو سے محفوظ رہنے کے لیے بھی اس شربت کا استعمال ہوتا ہے۔ انھیں پودینے کے ساتھ سل پر پیس کر چٹنی بھی بنتی ہے۔ یہ ذائقے دار ہونے کے ساتھ ساتھ سفید بھی ہوتی ہے۔

کچے پھلوں سے اچار بنایا جاتا ہے۔ اس میں کئی اقسام کے مصالحہ جات کا استعمال ہوتا ہے۔ ہندوستانی گھروں میں اچار بنانے اور کھانوں کے ساتھ ان کے استعمال کا رواج پرانا ہے۔ کچھ چھوٹی، بڑی، کمپنیاں بھی ڈبہ بند اچار بازار میں فروخت کرتی ہیں۔ غیر ممالک میں بھی ان کو برآمد کیا جاتا ہے۔

کچے پھلوں میں مولیکیول کاربوہائڈریٹس (Molecule Carbohydrates) کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ اسے Poly Sacchardies سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کے سبب کچے پھل میں مٹھاس نہیں ہوتی۔ کچے پھل کا مزہ ناگوار ہوتا ہے۔

کچے پھل پکنے تک مختلف مراحل سے گزرتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ایتھلین گیس (Ethlene Gas) پھلوں کے پکنے میں معاون ہوتی ہے۔ اس کا اخراج پھلوں سے ہی ہوتا ہے۔ اس کے سبب تیز اور ڈرامائی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ جب عمل شروع ہوتا ہے تو پھلوں کی سبز رنگت غائب ہوجاتی ہے۔ آہستہ آہستہ لال یا پیلے رنگ کے Antho Cyanins جیسے Pigments اور Carote Noides اُبھر آتے ہیں۔ ان سے پھلوں کو رنگ ملتا ہے۔ اب وہ دیدہ زیب اور خوش رنگ ہوجاتے ہیں۔ Poly Saccharides ٹوٹ کر شکر میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اس سے پھل میں مٹھاس آجاتی ہے۔ پھل ملائم ہوجاتے ہیں۔

اسی عمل میں پھلوں میں مخصوص خوشبو درآتی ہے۔ پھلوں کی خوشبو اور ان کا ذائقہ ان کی اقسام پر منحصر کرتا ہے۔ کچھ پھل بیک وقت خوش رنگ اور خوش ذائقہ دونوں ہوتے ہیں۔ دیگر میں یہ خوبیاں یکجا نہیں ہوتیں!

آہستہ آہستہ لال یا پیلے رنگ کے Antho Cyanins جیسے Pigments اور Carote Noides اُبھر آتے ہیں۔ ان سے پھلوں کو رنگ ملتا ہے۔ اب وہ دیدہ زیب اور خوش رنگ ہوجاتے ہیں۔ Poly Saccharides ٹوٹ کر شکر میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

پھلوں کے تاجر قدرتی طور پر پھلوں کے پکنے کا انتظار نہیں کرتے۔ اس لیے انھیں مصنوعی طور سے پکایا جاتا ہے۔ مصنوعی طور سے پھل پکانے

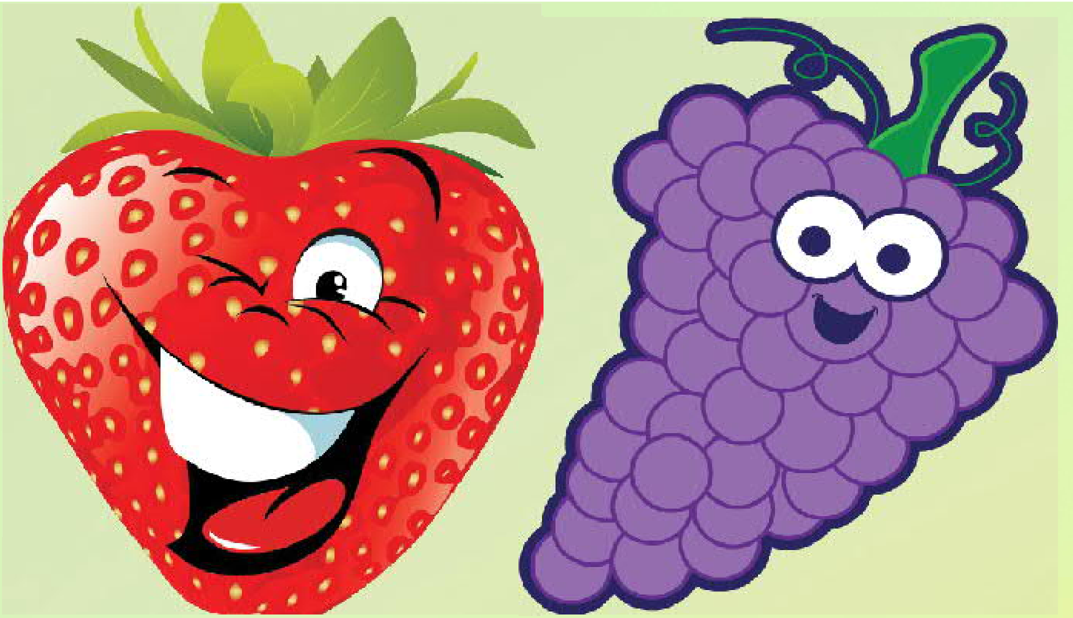

کے لیے کچھ ممالک میں لوگ کیلشیم کاربائڈ (Calcium Carbide Cac2) کا استعمال کرتے ہیں۔کیلشیم کاربائڈ کی نمی (Moisture) سے ملنے پر ایسی ٹائلن گیس (Acetylene Gas) پیدا ہوتی ہے۔ یہ ردعمل میں ایتھیلین (Ethylene) کے مساوی ہوتی ہے، جو قدرتی طور پر پھل کے پکنے کے عمل میں معاون ہوتی ہے۔ ایتھائلین کے بطور سرگرم عمل ہوتی ہے۔ یہ پھل کے پکنے کے عمل کو تیزی بخشتی ہے۔

قدرت کے کام میں بے جا دخل اندازی سے آدمی کو فوری نفع تو ہوجاتا ہے، لیکن اس سے بنی نوع کا نقصان ہوتا ہے۔کیلشیم کاربائڈ انسانی جسم کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ اس میں آرسینک (Arsenic) اور فاسفورس (Phosphorous) کے اجزاء ہوتے ہیں۔ بیشتر ممالک میں اس کے استعمال پر پابندی عائد ہے۔ پھر بھی ہندوستان، پاکستان، نیپال اور بنگلہ دیش میں اس کا استعمال بے روک ٹوک ہوتا ہے۔ اس کے استعمال کے خلاف قانون موجود ہونے کے باوجود اس پر عمل آوری نہیں ہوتی ہے۔

صحت کے ماہرین کے بقول، آرسینک اور فاسفورس کی شمولیت سے جو بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں، وہ ہیں— دست، پیچش، سینے اور معدے میں جلن، پیاس، کمزوری، نگلنے میں دشواری، آنکھوں میں جلن اور خراش، آنکھوں کی روشنی چلے جانا، سردرد، چکر، بے خوابی، ذہنی الجھن، یادداشت کمزور ہوجانا وغیرہ۔

دوستو! بازار کے بازار مصنوعی طریقے سے پکائے گئے پھلوں سے اَٹے پڑے ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ انھیں خریدتے وقت تصدیق کرلیں کہ انھیں مصنوعی طریقے سے نہیں پکایا گیا۔ دو، چار پیسے زیادہ لگیں تو لگیں، لیکن صحیح سامان خریدیں!

■

Azim Iqbal
Adabistan, Ganj No. One
Bettiah - 845438 (Bihar)

شرف الہدیٰ

ڈاک خانہ اور پن کوڈ

بچو!

مواصلاتی نظام میں ڈاک خانہ پرانا نظامِ ترسیل ہے۔ خبروں کی ترسیل کا یہ پرانا وسیلہ ہے۔ ویسے تو ہندوستان میں مواصلات کے اہم ذرائع ہیں۔ ٹیلی فون، سنیما، ریڈیو، ٹیلی ویژن، وائرلیس، تار وغیرہ، ان میں ڈاک خانہ (Post Office) بھی ایک اہم وسیلہ ہے۔

ہندوستان دنیا کا سب سے زیادہ ڈاک خانوں والا ملک ہے۔

ذیل میں ہم ڈاک خانے کی اہم خدمات اور ان کے قیام کا سال لکھ رہے ہیں:

(1) منی آرڈر سسٹم 1880

(2) ڈاک گھر بچت بینک 1882

(3) ریلوے ڈاک خدمات 1907

(4) ہوائی ڈاک خدمات 1911

(5) پن کوڈ سسٹم (Pin Code)۔ 15 اگست 1972

(6) فاصلاتی ڈاک سروس 1975

ڈاک خانوں کے ذریعے ہم کئی کام لیتے ہیں، مثلاً خط و کتابت کرنا، پیسے بھیجنا، ڈاک خانوں میں پیسے جمع کرنا، ٹکٹ اور لفافے خریدنا، بیرونِ ممالک میں خطوط بھیجنا اور پارسل وغیرہ بھیجنا۔

لیکن بچو! اب تو ترسیلات و مواصلات کی دنیا میں ایک بڑا انقلاب آیا ہے۔ زمانہ اس سے بھی آگے نکل چکا ہے۔ موبائل اور فون سسٹم سے گویا دنیا سمٹ کر مٹھی میں آگئی ہے۔ وقت جیسی قیمتی چیز کو بچانے کے لیے، محکمہ ڈاک و تار (Post & Telegraph) نے پن کوڈ کی سہولت رائج کردی ہے تاکہ خطوں کے پہنچنے میں آسانیاں ہوں۔

جانتے ہو یہ پن کوڈ کیا ہے؟ پن کوڈ انگریزی لفظ ہے جسے پوسٹل انڈکس نمبر (Postal Index Number) کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ پن کوڈ کی تقسیم کے لیے ملک کی ریاستوں کو 8 حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور سبھی حصوں کی الگ الگ اکائیاں مقرر کی گئی ہیں، ہر صوبے یا ریاست کے ضلعوں کے ڈاک خانے کو مقررہ گنتی کے نشان دیے گئے ہیں اور یہ نشانات چھ ہندسوں میں ہیں۔

دہلی، ہریانہ، چنڈی گڑھ، پنجاب، کشمیر اور ہماچل پردیش— یہ چھ علاقے یا ژون نمبر ون (1) انڈکس میں آتے ہیں، اتر پردیش وہ واحد ریاست ہے جو نمبر (2) انڈکس کے تحت آتا ہے۔ نمبر (3) انڈکس کے تحت راجستھان، گجرات، دادر نگر اور دمن کا شمار ہے۔ نمبر (4) انڈکس میں مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ، مہاراشٹر اور گوا آتے ہیں، (5) میں کرناٹک اور آندھرا پردیش کو رکھا گیا ہے۔ نمبر (6) تمل ناڈو، لکش دیپ اور کیرل کے لیے ہے اُسی طرح نمبر (7) انڈکس کے تحت دس ریاستیں آتی ہیں جیسے بنگال، اڑیسہ، اروناچل، آسام، منی پور، ناگالینڈ، میزورم، تری پورہ اور انڈومان نکوبار۔ آخری (8) واں نمبر بہار اور جھارکھنڈ کے حصے میں آیا ہے۔

پورے ملک کے 8 صوبوں میں بڑے حصوں کے لیے الگ الگ نمبر ہیں۔ ان میں Zero یعنی صفر بھی شامل ہے۔ چھ ہندسوں پر مشتمل یہ پن کوڈ پہلا ہندسہ ریاست کا، اس کے بعد دو ہندسے ضلع کے اور آخری تین حصے ڈاک خانوں کو بتاتے ہیں۔ اس طرح خطوں پر Pincode لکھے جانے سے وہ سارے خطوط (پوسٹ کارڈ یا لفافے کی شکل میں) جو بھی ہوں مناسب جگہ اور مناسب وقت پر پہنچ جائیں گے۔ اگر آپ نے اپنے ضلع اور اسٹیٹ کا نام بھی لکھا ہو تو خط مل جائیں گے۔

■

Sharful Hoda (Journalist)
C/o: Prof. Mr. Md. Omair Khan (Retd)
Po.: Mahendru, Mewasao Lane
Sultan Ganj, Patna - 800006 (Bihar)

■ صدیق عالم

دور کسی اک سیارے سے

سائنس دانوں نے کچھ آوازیں ریکارڈ کی ہیں جن کے بارے میں قیاس لگایا جارہا ہے کہ شاید کوئی دوسری مخلوق ہے جو کسی دوسرے سیارے سے جو ستاروں کے کسی دوسرے جھرمٹ یا کسی دوسرے کہکشاں میں واقع ہے یہ آوازیں بھیج رہی ہیں۔ (صدیق عالم)

دور کسی اک سیارے سے
آتی ہے آواز
کون ہے وہ؟ کہتا ہے وہ؟
سب کے لیے ہے راز
تو کیوں نہ اک دن ہم اس کی
سمت کریں پرواز !

کائنات کا اور نہ چھور ہے
ماضی نہ مستقبل
پھر کب کام اک نسل کا ہے یہ
سب اس میں ہوں شامل

نوری فاصلے طے کرنا ہے
سیاروں کے بیچ
صدیوں تک زندہ رہنا ہے
ان تاروں کے بیچ

جانے کتنے آندھی طوفاں
سے گزریں گے ہم
طرح طرح کے تارے

جن میں پھنستے رہتے ہم
کالے تارے دیکھ نہ پائے
جن کو ہماری آنکھ
ٹھنڈے تارے جن سے ہر دم
جھڑتی رہتی راکھ

راکھ کہ جن میں آنکھیں کھولتے
ننھے منے تارے
جھلمل کرتے چکر کھاتے
بڑھتے جائیں سارے

ایسے تارے قرنوں سے ہے
جن کا نہیں وجود
خلا میں اپنے نور کے بل پر
آج بھی جو موجود

چاہے صدیاں بیت چلیں
نہ ختم ہو یہ پرواز
ہم انساں ہی کھولیں گے اک دن
سب سے بڑا یہ راز
دور کسی سیارے سے کیوں
آتی ہے آواز؟

■
Siddique Alam
Flat 5D/5F, Block Wave,
Merlin Riverview
15, Kabi Tirtha Sarani
Kolkata - 700023 (West Bengal)

ایم ایم شیخ

WALT DISNEY (والٹ ڈزنی)

اینی میشن فلموں کا بے تاج بادشاہ

والٹ ڈزنی 5 دسمبر 1901 شکاگو میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایلیاس ڈزنی آئرش کینیڈین تھا اور ماں فلورا جرمن نژاد امریکی تھی۔ شکاگو اس وقت جھونپڑیوں کا جنگل تھا۔ اس کے تین بھائی اور ایک بہن تھی اس کی ولادت کے بعد خاندان مارسلین، میسوری چلا گیا، ڈزنی کے بچپن کا بڑا حصہ وہاں گزرا اُسے بچپن ہی سے ڈرائنگ سے دلچسپی تھی۔ وہ ہاتھ میں پنسل لیے گھنٹوں رنگین تصاویر بناتا رہتا تھا۔ جب وہ سات برس کا تھا تو اپنے بنائے ہوئے اسکیچز آس پڑوس میں فروخت کر دیتا تھا اس کا یہ جنون اس قدر بڑھ گیا کہ وہ اپنے اسکول کا کام کرنے کے بجائے اس کا سارا وقت قدرتی مناظر اور جانوروں کی تصاویر بنانے میں صرف ہوتا تھا۔ اس کی ڈرائنگ میں اُس وقت صفائی پیدا ہوئی جب اس کی بہن رُتھ نے اُسے مشورہ دیا کہ وہ گھر کی پچھلی دیوار پر تارکول سے تصویریں بنائے۔

ڈزنی کا باپ پیشے سے ماہر بڑھئی تھا اور کٹر مذہبی شخص تھا۔ ڈزنی کے گھر کے قریب ہی سانتا ریلوے لائن تھی۔ اس کا چچا مائیک مارٹن ریلوے انجینئر تھا اور فورٹ میڈیسن سے مرسلین تک کام کرتا تھا۔ ڈزنی اس کے ساتھ کئی بار ٹرین میں گھوما پھرا کرتا تھا۔ پھر اُس نے ریل کے مسافروں کو اخبارات پاپ کارن اور سوڈے کی بوتلیں فروخت کرنا شروع کر دیں۔ یہ کام کرنے کے لیے اُسے رات ساڑھے تین بجے اٹھنا پڑتا تھا۔ وہ یہ کام صبح چھ بجے تک کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ گھر

آتا اور ناشتہ کرنے کے بعد اسکول چلا جاتا پھر شام کو وہ آرٹ اسکول میں حاضری لگاتا۔ اس طرح وہ ایک سخت جان زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے باپ نے اخبار کی ایجنسی لے لی اور ڈزنی اس کا ہاتھ بٹانے لگا صبح وہ اخبار بانٹا کرتا اور سخت محنت کی زندگی گزار کر وہ بڑا ہوا۔ جس کا احساس اُسے زندگی بھر رہا۔ وہ اور اس کا بھائی رائے محنت و مشقت کی زندگی گزار رہے تھے مگر انھیں صحیح معاوضہ نہیں مل رہا تھا۔ ڈزنی کا باپ بہت سخت تھا اس کے رویہ سے تنگ آ کر اُس نے دو بڑے بھائی گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ رائے نے انیس برس کی عمر میں گریجویشن کر لیا اور وہ برابر ڈزنی کی ہمت بڑھاتا رہتا تھا۔ ان حالات سے گزرتے ہوئے اس کے خاندان نے کینساس سٹی کو منتقلی کا فیصلہ کر لیا۔ جہاں ڈزنی نے ڈراموں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ وہ اسکول میں چاک سے اپنے ساتھیوں کی بلیک بورڈ سے تصویریں بنایا کرتا تھا اور انھیں کہانیاں سُنایا کرتا تھا اس کی ڈرائنگ بنانے کی صلاحیت خداداد تھی۔ ڈزنی کی کلاس میں ایک نئے جرمن لڑکے بفائفر نے داخلہ لیا وہ اس کا دوست بن گیا اور اپنے گھر لے جانے لگا وہاں اُسے تصویر کیسے بنائی جاتی ہے بتایا وہ دونوں فلمیں بھی ساتھ دیکھنے لگے۔ جس سے اُسے فلموں سے دلچسپی ہونے لگی۔ ان سب مصروفیات کے باوجود اُس نے تعلیم کی طرف سے غفلت نہیں برتی وہ شکاگو کے میکنلے اسکول جایا کرتا تھا البتہ اس کی تمام توجہ ڈرائنگ اور فوٹوگرافی پر تھی ہفتہ میں تین راتوں کے لیے وہ اکادمی آف آرٹس بھی جایا کرتا تھا تاکہ اس کی ڈرائنگ اور آرٹ میں نکھار پیدا ہو سکے۔ اس دوران وہاں کے ایک استاد کیری نے اس کی رہنمائی کی اور اُسے سیاہ روشنائی سے کارٹون بنانا سکھایا وہ شکاگو ٹربیون میں جز وقتی کام کرتے تھے۔ انھوں نے ڈزنی کو وہاں متعارف کرایا۔ جہاں اُس نے کارٹون بنانے کی تربیت حاصل کی۔ ڈزنی کو یہ اندازہ تھا کہ کارٹون سازی سے روزی روٹی نہیں چل سکتی اس لیے وہ ایک جیلی بنانے والی فیکٹری میں ملازم ہو گیا۔

ڈزنی نے 1918 میں (ملٹری) فوج کی ملازمت اختیار کر لی۔ پاسپورٹ بننے پر اُسے پانی کے جہاز سے فرانس بھیج

دیا گیا۔

پیرس میں اُس نے اپنے افسران کے ڈرائیور کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں اُس نے ایمبولنس کی ڈرائیونگ بھی کی جنگ کے دنوں میں گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو حکم تھا کہ وہ اسے درخت کے پتوں سے ڈھانک کر رکھیں مگر اس کے برخلاف ڈزنی کی ایمبولنس اسی کے بنائے ہوئے کارٹونوں سے ڈھکی رہتی تھی۔ افسران کو اِدھر اُدھر لے جانے سے اس کو فائدہ یہ ہوا کہ وہ پیرس کے جغرافیہ سے پورے طور پر واقف ہوگیا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد اُسے ایک فوجی کینٹین میں بھیج دیا گیا۔ وہاں اُس نے کارٹون بنانے کا اپنا شغل جاری رکھا۔ اکثر وہ اپنے کارٹون کاونٹر کے پیچھے لگا دیتا تھا۔ جو سپاہی اپنے کارٹون بنوانا چاہتے تھے۔ وہ اسے معمولی اجرت ادا کرکے کارٹون بنوالیتے تھے۔ وہ اکثر کارٹون بنا کر امریکی میگزین لائف میں بھیجا کرتا تھا۔ ایک باراس نے فوجیوں کو اعلی کارکردگی پر ملنے والا گولڈ میڈل اپنی وردی پر پینٹ سے بنالیا جو ایسا لگتا تھا کہ اس کے سینے پر کسی افسر نے تمغہ لگا دیا ہو۔ اس کے دوستوں کو یہ آئیڈیا بہت پسند آیا اس کے دوستوں نے چند فرانک دے کر کہا کہ اُن کے سینہ پر ایسا ہی تمغہ بنا دیں اس طرح اُس نے سیکڑوں فرانک کمائے جو وہ اپنی ماں کو امریکہ پابندی سے بھیج دیا کرتا تھا۔ روپیہ کمانے کے نئے نئے طور طریقے اس کے دماغ میں بہت آتے تھے۔ جنگ کے زمانے میں اس نے جرمن افواج کے فولادی ہلمٹ جمع کیے تھے اُسے وہ ریلوے اسٹیشن پر کھڑا ہو کر فروخت کر دیا کرتا تھا اس سے جو رقم ملتی تھی اور اسے جو ماہانہ 52 امریکی ڈالر تنخواہ کے طور پر ملا کرتے تھے وہ سب ملا کر اپنی ماں کو بھیج دیا کرتا تھا وہ اپنے باپ سے اتنا پیار نہیں کرتا تھا جتنا اپنی ماں سے کرتا تھا۔

جب فرانس میں امن وسکون ہوگیا تو امریکی جنرل نے وہاں سے امریکہ واپس جانا مناسب سمجھا جس کی وجہ سے فوجیوں کی واپسی عمل میں آئی۔ ایک برس پیرس میں رہنے کے بعد ڈزنی قد آور لمبا تڑنگا اور طاقتور جسم کا مالک ہوگیا اب اس کی عمر اٹھارہ برس ہوگئی اُس کے والدین نے اُسے دیکھا تو حیران رہ گئے کہ اُن کا سب سے چھوٹا بیٹا اتنی جلدی بالغ اور ہنرمند ہوگیا۔ زندہ رہنے کے لیے اس نے ایک بار پھر کارٹونوں کی طرف توجہ دی اس کی خواہش تھی کہ وہ کمرشیل آرٹسٹ کی حیثیت سے کسی اخبار میں کام کرے اُس کے بھائی رائے نے جو بینک میں ملازم تھا اور اُسے ماہانہ 99 ڈالر ملتے تھے اُسے روبن آرٹ اسٹوڈیو میں ملازمت دلوادی جہاں اس کی ملاقات اس وقت کے سب سے بڑے کارٹونسٹ ابے اُدرک سے ہوئی۔ یہاں سے نکل کر وہ کناس سٹی فلم ایڈ کمپنی میں کام کرنے لگا۔ وہاں اس کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ کارٹون متحرک کیسے ہوسکتے ہیں۔ اس کی عین خواہش تھی کہ کارٹون فلمیں بنائے جس میں وہ تجربات کرتے کرتے کامیاب ہوگیا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کنساس سٹی کے کاروباری لوگوں کے لیے چھوٹی چھوٹی متحرک فلمیں بنانے لگا۔ اشتہاری کمپنی میں اس کی ملازمت کافی عرصے تک چلی جب اُس نے معقول رقم جمع کرلی تو بہت ساز وسامان خرید لیا اور اپنا اسٹوڈیو بنالیا۔

نیویارک کی ایک کمپنی نے اس کی فلم ایلس کامیڈیز کا آرڈر لیا اور وہ فلم کامیاب ہوئی۔ اس نے اپنا آفس ہالی وڈ کے نزدیک بنالیا۔

13 جولائی 1925 کو اس نے اپنی فلم کمپنی کی ایک ملازمہ لیلین سے لوئس میں شادی کرلی وہ سلولائڈ کو پینٹ کرنے کے لیے ملازمہ رکھی گئی تھی۔

انھیں دو بیٹیاں اور ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا بیٹا کم عمری میں پولیو کا شکار ہو کر داغ مفارقت دے گیا۔ ڈزنی اُسے کافی عرصے تک یاد کر کے غمگین رہا کرتا تھا۔

اپنے شادی کے ایک سال بعد ایک کارٹون فلم پلین کریزی بنائی پھر شادی کے تین سال بعد اس نے سوچا کہ کیوں نہ کوئی کارٹون فلم بچوں کے لیے جانوروں کے کردار کو لے کر بنائی جائے۔ اُس نے بلی کتے اور لومڑی کے بارے میں غور کیا پھر اچانک اُسے خیال آیا کہ کیوں نہ وہ چوہیا کو اپنا کردار بنا لے۔ چنانچہ اس نے ایک کارٹون کردار مکی ماؤس تخلیق کیا۔ یہ وہی چوہیا تھی جو اُس کے اسٹوڈیو میں آتی جاتی تھی۔ ڈزنی کے پاس سرمایہ کم تھا۔ ساتھ میں کام کرنے والے بھی کچھ خوش نہیں تھے مگر اس کے بھائی رائے کو یقین تھا کہ ڈزنی کی سوچ کامیابی سے ضرور ہمکنار ہوگی۔ فلم کسی طرح مکمل ہوگئی مگر تقسیم کار اس کو خریدنے کو تیار نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اتنا چھوٹا کردار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ یہ کارٹون فلم خاموش تھی۔ ڈزنی نے اسٹوڈیو کے کئی چکر لگائے کہ وہ اس کی فلموں میں آواز بھر دے مگر کوئی تیار نہیں ہوا اور لاگت بہت بتائی۔ ایک کمپنی نے بہر حال اس کا کام کر دیا مگر تقسیم کار نہیں مل رہا تھا۔ ڈزنی انتہائی مایوس ہوگیا آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود ہی اُس فلم کو ریلیز کرے گا۔ آخر قسمت کی دیوی ڈزنی پر مہربان ہوگئی فلم چلی اور خوب چلی۔ بچے تو اُس کے دیوانے ہو گئے۔ چوہیا مکی ماؤس 18 نومبر 1928 کو منظر عام پر آئی۔

اُسے امریکہ ہی میں نہیں ساری دنیا میں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی جاپان میں اسے 'مکی کوچی' کا نام دیا گیا اٹلی میں اسے ٹوپلنو سے جانا گیا۔ جبکہ لاطینی امریکہ میں اس کا نام رنٹون میکولیٹور رکھا گیا۔ اس کی بیوی لیلین نے اُس کردار کا نام مکی ماؤس تجویز کیا اس میں والٹ ڈزنی نے اپنی فلموں میں خود آواز دی تھی۔ والٹ ڈزنی نے اس کامیابی کے بعد ڈونالڈ ڈک گوفی اور پلوٹو کرداروں کی تخلیق کی۔ ڈونالڈ ڈک پر پہلی بنائی جانے والی فلم 9رجون 1934 کو ریلیز ہوئی جو بہت مقبول ہوئی۔ 1950 میں مکی ماؤس کلب قائم ہوا۔ اب اعزازت کا سلسلہ شروع ہوا۔ 1964 میں صدر امریکا لنڈن بی جانسن نے صدارتی میڈل آف فریڈم دیا۔ جو امریکہ کا سب سے بڑا سیویلین ایوارڈ ہے۔ یہ تقریب وائٹ ہاؤس میں ستمبر 1964 منعقد ہوئی اس تقریب کا ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا گیا۔ جو چھ سنٹ کا تھا اپنے طویل کیریئر میں ڈزنی کو 64 مرتبہ اکیڈمی ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا۔ اس طرح اس نے اپنی زندگی میں 26 آسکر ایوارڈ حاصل کیے۔ جو واقعی بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ڈزنی کے

کرداد مکی ماؤس کی مقبولیت کم ہونے لگی 1984 میں اس نے سینڈریلا نامی فلم بنائی۔

جس نے باکس آفس پر پچھلے سارے 'ریکارڈ توڑ ڈالے۔ اسی طرح 'اسنٹووھائٹ' اور 'پونچیو' نامی فلمیں بنائی جو باکس آفس پر ہٹ ہوئی۔ جو اینی میشن فلموں کا نقطہ عروج رہا۔ ایک اندازہ کے مطابق اسٹوڈیو کے آرٹسٹوں کو تقریباً 15 لاکھ کارٹون بنانا پڑے اسی دوران موشن پکچرز میں گویا انقلاب آ گیا۔ اس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے ڈزنی نے مکی ماؤس کی میوزیکل کارٹون فلم بناؤ الی جب والٹ ڈزنی برطانوی فلم ادارے یونینا ٹیڈ آرٹس میں شامل ہوا اس دوران اس کی دوستی مشہور اداکار چارلی چپلن سے ہوئی اس نے ڈزنی کی فیچر فلمیں بنانے میں رہنمائی کی وہ اکثر چارلی کا تذکرہ کیا کرتا تھا اور اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتا تھا۔ فلم کے کاروبار میں ترقی کی تو بلیک اینڈ وھائٹ فلموں کی جگہ ٹیکنی کلر کارٹون فلمیں بنانا شروع کردیں۔ ڈزنی نے دو فلمیں بنائیں 'فلاوَز اور ٹریز س' ان فلموں کی تخلیق پر اُسے اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اسی طرح اُس نے تین چھوٹے سور اور ایک خبیث بھیڑیا پر فلم بنائی اس فلم میں ایک گیت بھی تھا جو بچوں میں کافی مقبول ہوا نہ صرف امریکہ بالکل یورپ کے ملکوں میں بھی بہت مقبول ہوا ڈزنی کو اس فلم سے جو شہرت اور نام ملا کسی اور فلم سے نہیں مل سکا۔

ڈزنی اور اسکا بھائی دونوں نے اسٹوڈیو کے قریب ہی رہائش اختیار کرلی تھی۔ 1938 میں ڈزنی کی والدہ حادثاتی طور پر انتقال کر گئیں۔

اس نے ناسا کے اشتراک سے بچوں کے لیے معلوماتی فلمیں بنائی جو بہت مقبول ہوئی جن میں 1955 میں ہنی مین ان اسپیس، مین اینڈ دی مون بہت کامیاب رہیں۔ اس طرح 1957 میں مریخ اور اس سے آگے نامی فلمیں بنائی۔ بہت بڑا ہدایت کار اور فلم ساز ہونے کے باوجود اس نے اپنی زندگی میں صرف ایک فلم دی 'ریلکٹنٹ ڈریگون' میں کام کیا جس سے اُس کا اسکرین پر آنے کا شوق پورا ہوا۔ والٹ ڈزنی ٹیلی ویژن پروگرامنگ کا بھی بانی کہا جاتا ہے۔ ڈزنی نے اپنی ٹیلی ویژن پروڈکشن 1954 میں شروع کی تھی اس نے 1966 میں کیلیفورنیا میں انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس کھولا۔ یہ پرفاربینگ آرٹس کے سارے شعبوں کی تعلیم دینے کے لیے قائم ہوا تھا۔ وہ بلا کا سگریٹ نوش تھا اکثر سگریٹ سے سگریٹ سلگایا کرتا تھا اس بری عادت کی وجہ سے اُسے پھیپھڑوں کا سرطان ہوگیا اور وہ 15 دسمبر 1966 کو 65 سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے بھائی رائے نے اسٹوڈیو کا چارج سنبھالا اور بہت سی معیاری فلمیں بنائیں۔ اس وقت والٹ ڈزنی کمپنی کے پاس پانچ ریزروٹ، گیارہ تھیم پارک، دو واٹر پارک چالیس ہوٹل، آٹھ موشن پکچرز اسٹوڈیو اور گیارہ کیبل ٹیلی ویژن نیٹ ورک ہیں۔ ان تمام سے ہونے والی آمدنی کئی بلین ڈالرس میں ہوتی ہے۔

والٹ ڈزنی قدیم داستانوں والا ہیرو تھا جس نے بیسویں صدی میں اپنی شہرت اور مقبولیت کے جھنڈے گاڑ دیے۔ اس نے امریکہ کی مختلف تنظیموں سے 250 کے قریب ایوارڈ حاصل کیے اور ساری دنیا سے 950 کے اعزازات سے بھی اُسے نوازا گیا۔

■

Dr. M.M. Shaikh
15 Maulana Azad Housing Society
Opp Auliya Masjid, Roza Bagh
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)

محمد اعجاز

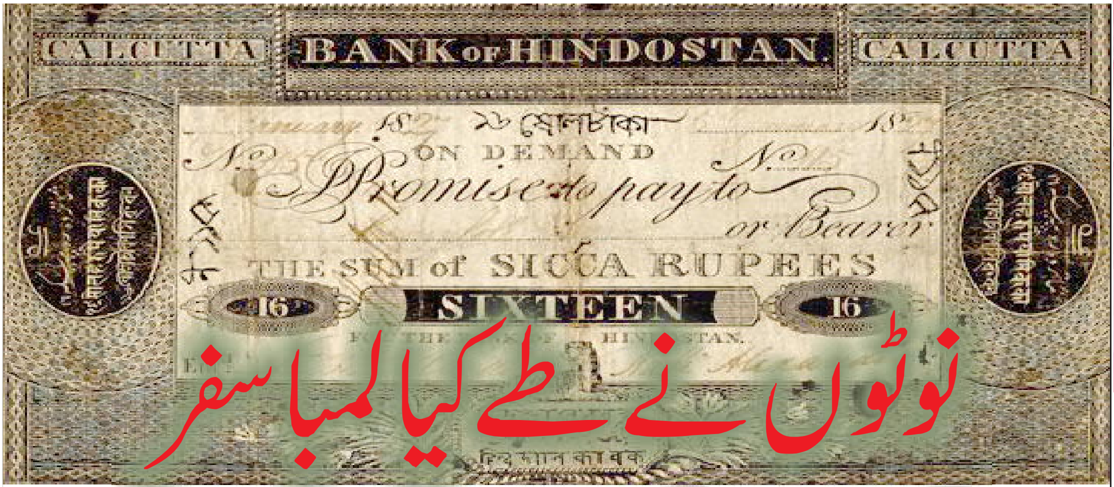

نوٹوں نے طے کیا لمبا سفر

پیارے بچو! دو ہزار اور پانچ سو روپے کے نئے نوٹ کو دیکھ کر تمھارا دل یقیناً خوش ہو رہا ہوگا لیکن کیا تم جانتے ہو کہ کرنسی کی شکل میں آج ہم جس روپے کا استعمال کر رہے ہیں اس کا رواج ہندوستان میں صدیوں سے ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں کرنسی کے طور پر چاندی اور سونے کے سکے کا رواج تھا۔ اٹھارھویں صدی کے پچاسویں تک سونے اور چاندی کے سکے چلتے رہے۔ جب یورپین کمپنیاں تجارت کے لیے ہندوستان میں آئیں تب انھوں نے اپنی سہولت کی خاطر یہاں نجی بینک Private Bank کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد سے ہی چاندی اور سونے کی کرنسی کی جگہ کاغذی کرنسی کا رواج شروع ہو گیا۔ ہندوستان کی سب سے پہلی کاغذی کرنسی کولکاتا کے بینک آف ہندوستان Bank of Hindustan نے 1770 میں جاری کیا تھا۔

دھیرے دھیرے ان برٹش کمپنیوں کا کاروبار بنگال سے بڑھ کر ممبئی اور مدراس تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد الگ الگ جگہوں پر الگ الگ بینکوں کی بنیاد پڑی۔ 1773 میں بینک آف بنگال اور بہار Bank of Bengal and Bihar کی بنیاد پڑی۔ جب ملک میں بینک بڑھے تو کاغذی کرنسی کا رواج بھی عام ہو گیا۔ بینک آف بنگال Bank of Bengal کے ذریعے تین سیریز میں نوٹ چھاپے گئے۔ پہلی سیریز Unifaced series تھی۔ دوسری سیریز Commerce series تھی جس پر ایک طرف ناگری، بنگالی اور اردو میں بینک کا نام لکھا ہوا تھا اور ایک خاتون کی تصویر بھی چھپی تھی۔ دوسری طرف بینک کا نام لکھا ہوا تھا۔تیسری سیریز انیسویں صدی کے اخیر میں چھاپی گئی جسے Britannia series سیریز کہا گیا۔اس کے نمونے کو بدلا گیا ساتھ ہی کئی رنگوں کا استعمال کیا گیا۔

انگریزی حکومت نے بنایا قانون

اب تک یہ سارے روپے ریاستوں اور برٹش تاجروں کی مدد سے قائم کیے گئے بینکوں کے ذریعے جاری کیے جا رہے تھے۔ 1861 میں اس وقت کی برٹش سرکار نے کاغذی کرنسی جاری کی حالانکہ برٹش سرکار نے کاغذی کرنسی ایکٹ بنانے کے بعد ہی اپنی کاغذی کرنسی کی شروعات کی۔ ان پر مہارانی وکٹوریہ کی ایک چھوٹی سی تصویر بھی لگی تھی۔ اس طرح برٹش

سرکار کے ذریعے پہلی بار کاغذی کرنسی جاری کی گئی۔ بعد میں یہی کرنسی ہندوستانی حکومت کی قانونی کرنسی بنی۔ اس کرنسی کو جاری کرنے کے ساتھ ہی برٹش سرکار نے ملک کو الگ الگ کرنسی حلقوں میں بانٹ دیا۔ اس طرح سرکار کے ذریعے جاری کی گئی کاغذی کرنسی ان حلقوں میں قابل قبول تھی۔ یہ حلقے تھے کلکتہ، بمبئی، مدراس، رنگون، کان پور، لاہور اور کراچی۔

ہندوستان میں برٹش سرکار اپنا پیر پھیلاتی گئی اور روپے کی بناوٹ میں تبدیلی آتی گئی۔ اس پر الگ الگ کئی زبانوں میں روپے کا نام بھی لکھا جانے لگا۔ 1923 میں برٹش سرکار کی کاغذی کرنسی پر کنگ جارج v کی تصویر بھی چھپی۔ یہ رواج آگے چل کر بھی برقرار رہا۔

1935 میں برٹش سرکار نے روپے جاری کرنے کا اختیار ریزرو بینک آف انڈیا کو دے دیا۔ اس کے بعد ریزرو بینک کے ذریعے 1938 میں پہلی بار نوٹ جاری کیا گیا۔ یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ 1928 میں ناسک میں ہندوستان کا پہلا پرنٹنگ پریس قائم کیا گیا۔ اس سے پہلے کاغذی کرنسی بینک آف انگلینڈ Bank of England سے چھپ کر آتی تھی۔

آزاد ہندوستان اور کاغذی کرنسی

موجودہ ہندوستان کے روپے کی تاریخ 1947 میں آزادی کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ آزاد ہندوستان کا پہلا نوٹ ایک روپے کا تھا جسے 1949 میں جاری کیا گیا تھا۔ اس نوٹ پر سارناتھ (بنارس کے نزدیک ایک جگہ کا نام) کے اشوک کا نشان تھا۔ اس کے بعد نوٹوں میں کئی تبدیلیاں ہوئیں۔ 1953 میں ہندوستانی حکومت کے ذریعے جو نوٹ چھاپے گئے ان پر ہندی زبان میں بھی لکھا گیا۔ 1996 اور 2005 میں جو نوٹ جاری کیے گئے ان پر مہاتما گاندھی کی تصویر چھپنی شروع ہوئی۔ اس کے بعد روپے کی نقل روکنے کے لیے اس میں کئی سیکورٹی فیچرس ڈالے گئے۔ آنکھوں سے معذور لوگوں کی سہولت کے لیے بھی آج کے نوٹ میں کئی سیکورٹی فیچرس ڈالے گئے ہیں۔ آج کی اگر بات کریں تو 5,10,20,50,100,500,2000 کے نوٹ چل رہے ہیں۔

■

Mohd Ejaz
Raja Tola Harlakhi, Post.: Harlakhi
Via: Umgaon Kothi
Madhubani - 847240 (Bihar)

امتیاز احمد

کھیل کامیابی کا ضامن

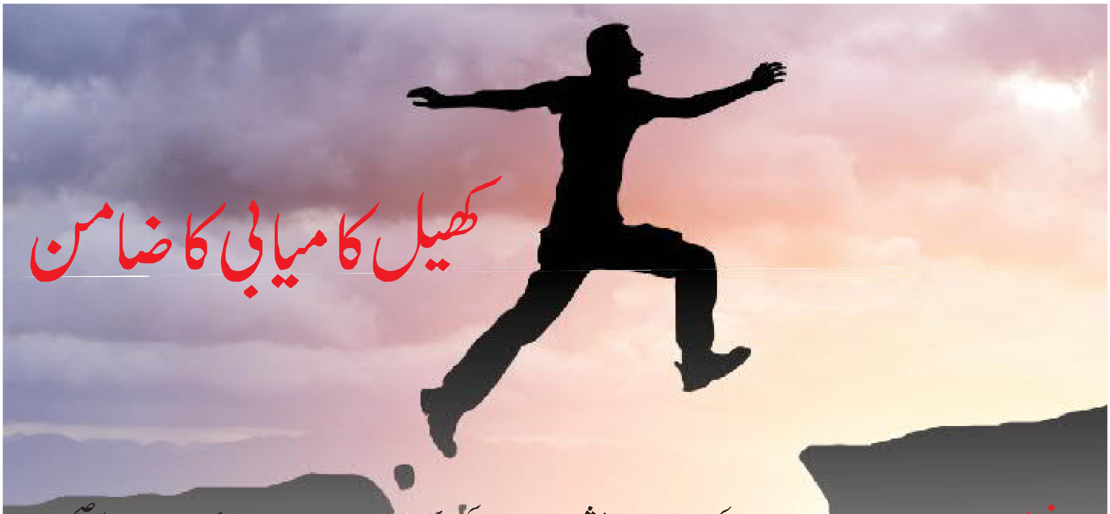

ہر انسان کامیاب ہونا چاہتا ہے اور اس کی بدولت وہ خوشی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے وہ حال اور مستقبل میں خوشی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے۔

اب سوال اٹھتا ہے کہ کامیابی کیا ہے۔

وقت اور عمر کے مطابق ہر انسان کے لیے کامیابی کا مطلب الگ الگ ہوتا ہے، کچھ لوگوں کی نظر میں دولت کا حصول ہی کامیابی ہے تو کچھ لوگوں کی نظر میں اچھی صحت کا ہونا کامیابی ہے اور کچھ لوگوں کے لیے اچھی ازدواجی زندگی کامیابی کا راز ہے۔

اسی طرح ایک چھوٹے بچے کی نظر میں اپنے پیروں پر چلنا شروع کردینا ہی کامیابی ہے اور جب اسکول جانے لگتے ہیں تو امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہونا کامیابی سمجھا جاتا ہے اور پھر بہت سے Competitive Exam کو پاس کرنا کامیابی مانا جاتا ہے اور پھر اچھی نوکری حاصل کرنا اور اچھا ہمسفر کامیابی سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وقت اور عمر کے مطابق ہر انسان کے لیے کامیابی کا مطلب بھی بدلتا رہتا ہے۔

کسی بھی شعبے میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے صحیح سمت میں، صحیح طریقے سے، پوری لگن اور محنت بہت ضروری ہے۔

تو گویا یہ بات سمجھ میں آگئی کہ کامیابی حاصل کرنے کے لیے دو چیزوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔

پہلی چیز منزل کا پتہ ہونا، دوسری چیز اس منزل تک پہنچنے کے لیے مسلسل محنت۔ جہاں تک بات منزل کی ہے تو بہت سے طلبہ ایسے ہیں کہ جن کی زندگی میں کوئی Perfect Goal ہی نہیں ہوتا ہے۔ دسویں اور بارہویں کلاس میں پہنچ جانے کے بعد بھی وہ فیصلہ نہیں کرپاتے کہ آگے انھیں کیا کرنا چاہیے۔ کسی بھی منزل کا انتخاب کرنے سے پہلے اپنے آپ کو پہچاننا بہت ضروری ہے۔

اپنے آپ کو پہچان کر، اپنی خامیوں اور اچھائیوں کو سمجھ کر، اپنی پسند اور ناپسند کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کے لیے ایک اچھی منزل منتخب کرنی چاہیے۔

منزل کو منتخب کرنے کے بعد ضروری ہے کہ اس منزل تک پہنچنے کے لیے اپنی پوری جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں اور قوتوں کا استعمال کرتے ہوئے صحیح طریقے سے لگاتار محنت

کرنا۔ یہی وہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو انسان کو اس کی منزل تک پہنچنے نہیں دیتی ہے۔

اگر ہم اپنی زندگی کی مختلف سرگرمیوں کا جائزہ لیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ کھیل ایک ایسی سرگرمی ہے جس میں انسان بنا تھکے، کافی وقت تک خوش حوش مشغول رہتا ہے اور تھکاوٹ کا بھی احساس نہیں کرتا ہے۔

اگر ہم اپنے کاموں کو کھیل مان لیں تو ہم اپنے ہر کام کو خوشی خوشی لگاتار کافی وقت تک کر سکتے ہیں اور اپنی منزل کو حاصل کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔

لیکن اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کھیل کیا ہے اور کس سرگرمی کو کھیل مانیں اور کس سرگرمی کو کھیل نہ مانیں۔

کرکٹ، فٹ بال اور والی بال بھی ایک کھیل ہے تو دوڑنا کشتی لڑنا اور وزن اٹھانا بھی ایک کھیل ہے تو وہیں موبائل گیم لوڈو گیم، اور شطرنج (جس میں زیادہ جسمانی کام کی ضرورت نہیں ہوتی) بھی کھیل کے زمرے میں آتا ہے۔

یہاں تک کی کتاب کا مطالعہ کرنا بھی کھیل ہے۔

امریکہ کے کئی اسکولوں میں طلبہ کو ایک کھیل کھلایا جاتا ہے، اس کھیل میں دس دس طلبہ کا ایک گروپ بنایا جاتا ہے۔ ہر گروپ کو ایک طے شدہ منزل تک پہنچنا رہتا ہے جو گروپ سب سے پہلے پہنچتا ہے وہ گروپ جیت جاتا ہے۔

لیکن منزل تک پہنچنے کے لیے طالب علموں کو دس بند دروازوں کو کھولنا ہوتا ہے۔ دروازوں کو کھولنے کے لیے ہر دروازے کے باہر ایک کتاب رکھی ہوتی ہے جس میں دس سبق ہوتے ہیں۔ ہر گروپ ایک ایک سبق اپنے دس طالب علموں میں بانٹ دیتا ہے۔ ہر طالب علم اپنے سبق کو پڑھنے کے بعد ایک نتیجہ نکالتا ہے تو اس طرح ہر کتاب سے دس نتیجے نکلتے ہیں اور ان نتیجوں کی مدد سے طالب علم دروازوں کو کھولتے ہیں۔ جو گروپ کتاب کو جلدی پڑھ کر جلدی نتیجہ اخذ کرتا ہے وہ دروازوں کو کھولتے ہوئے منزل تک جلدی پہنچتا ہے، اور جیت جاتا ہے۔

اس کھیل سے جہاں طالب علموں کو خوشی ملتی ہے وہیں ساتھ ہی ساتھ کئی چھپی ہوئی صلاحیتوں کی نشوونما بھی ہوتی ہے مثلاً:

- کتاب پڑھنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔
- کتاب پڑھنے اور سمجھنے کی رفتار تیز ہوتی ہے
- مقابلہ جاتی صفت بھی پیدا ہوتی ہے
- قیادت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے
- مل کر کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

تو ہم نے دیکھا کہ کتاب پڑھنا بھی ایک کھیل ہے۔

اس طرح ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کھیل کا دائرہ لامحدود ہے۔ ایک ہی سرگرمی کچھ لوگوں کے لیے کام ہے اور کچھ لوگوں کے لیے کھیل اور یہ صرف سوچ پر منحصر ہے۔

آپ جس سرگرمی کو کھیل مان لیتے ہیں وہ کھیل ہو جاتی ہے اور جس سرگرمی کو کام مان لیتے ہیں وہ آپ کے لیے کام ہے۔

تو اپنی منزل کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے ہر کام کو کھیل مان لیں اور جب دھیرے دھیرے آپ کا دل و دماغ کسی بھی کام کو کھیل مان لے گا تو آپ اس کام کو اپنی پوری جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے لمبے عرصے تک خوشی خوشی کر سکتے ہیں اور جب کوئی بھی انسان کسی بھی کام کو صحیح سمت میں صحیح طریقے سے پوری لگن اور محنت سے کرتا ہے تو ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

■

Imtiyaz Ahmad
E-247/14, Second Floor, Shaheen Bagh
Okhla, New Delhi - 110025

سید عبیداللہ ہاشمی پاتھری

گفتگو کے آداب

گفتگو کا مطلب اس طرح سے لیا جاسکتا ہے کہ دو اشخاص کے درمیان ہونے والی بات کو گفتگو کہہ سکتے ہیں۔ گفتگو کے بھی آداب ہوتے ہیں۔ گفتگو کے آداب درج ذیل ہیں:

1۔ ہمیشہ سچ بولیے۔ سچ بولنے میں کبھی جھجک نہ محسوس کیجیے چاہے کیسا ہی عظیم نقصان ہو۔

2۔ ضرورت کے وقت بات کیجیے اور جب بھی بات کیجیے کام کی بات کیجیے۔ ہر وقت بولنا اور بے ضرورت باتیں کرنا وقار اور سنجیدگی کے خلاف ہے۔ آدمی جو بات بھی منھ سے نکالتا ہے خدا کا فرشتہ اسے فوراً نوٹ کر لیتا ہے۔

3۔ جب بات کیجیے نرمی کے ساتھ کیجیے، مسکراتے ہوئے میٹھے لہجے میں کیجیے، ہمیشہ درمیانی آواز میں بولیے نہ اتنا آہستہ بولیے کہ مخاطب سن ہی نہ سکے۔

4۔ کبھی کسی بری بات سے زبان گندی نہ کیجیے۔ دوسروں کی برائی نہ کیجیے، چغلی نہ کیجیے، شکایتیں نہ کیجیے، جھوٹا وعدہ نہ کیجیے، کسی کی ہنسی نہ اڑائیے، اپنی بڑائی نہ جتائیے، فقرے نہ کہیے، کسی پر طنز نہ کیجیے، کسی کو ذلت کے نام سے نہ پکاریے۔

5۔ ہمیشہ انصاف کی بات کہیے۔ سورۃ الانعام آیت نمبر 152 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"اور جب زبان سے کچھ کہو تو انصاف کی بات کہو چاہے وہ تمھارے رشتے دار ہی ہوں۔"

6۔ نرمی، معقولیت اور دل جوئی کی بات کیجیے۔ کھری، بے لوچ اور تکلیف دہ سخت بات نہ کہیے۔

7۔ ہمیشہ مختصر اور مطلب کی بات کیجیے بلا وجہ گفتگو کو طول دینا نامناسب ہے۔

8۔ کبھی خوشامد اور چاپلوسی کی باتیں نہ کیجیے۔ اپنی عزت کا ہمیشہ خیال رکھیے اور کبھی اپنے مرتبے سے گری ہوئی بات نہ کیجیے۔

9۔ دو آدمی بات کر رہے ہوں تو اجازت لیے بغیر دخل نہ دیجیے اور نہ کبھی کسی کی بات کاٹ کر بولنے کی کوشش کیجیے۔ بولنا ضروری ہی ہو تو اجازت لے کر بولیے۔

10۔ ٹھہر ٹھہر کر سلیقے اور وقار کے ساتھ گفتگو کیجیے، جلدی اور تیزی نہ کیجیے نہ ہر وقت ہنسی مذاق کیجیے، اس سے آدمی کی

وقعت جاتی رہتی ہے۔

11۔ کوئی کچھ پوچھے تو پہلے غور سے اس کا سوال سن لیجیے اور خوب سوچ کر جواب دیجیے۔ بغیر سوچے سمجھے جواب دینا بڑی نادانی ہے اور اگر کوئی دوسرے سے سوال کررہا ہو تو خود بڑھ بڑھ کر جواب نہ دیجیے۔

12۔ جس سے بھی گفتگو کریں، اس کی عمر مرتبے اور اس سے اپنے تعلق کا لحاظ رکھتے ہوئے گفتگو کیجیے۔ ماں، باپ، استاد اور دوسرے بڑوں سے دوستوں کی طرح گفتگو نہ کیجیے۔

13۔ گفتگو کرتے وقت کسی کی طرف اشارہ نہ کیجیے کہ دوسرے کو بدگمانی ہو اور خواہ مخواہ اس کے دل میں شک بیٹھے۔ دوسروں کی باتیں چھپ کر سننے سے پرہیز کیجیے۔

مولانا الطاف حسین حالی زبان سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ ہمارے بہت سے آرام اور بہت سی تکلیفیں، ہمارے سیکڑوں نقصان اور ہزاروں فائدے، ہماری عزت، ہماری ذلت، ہماری نیک نامی، ہماری بدنامی، ہمارا جھوٹ سچ صرف تیری ایک 'ہاں' اور ایک 'نہیں' پر موقوف ہے۔ تیری اس 'ہاں' اور 'نہیں' نے کروڑوں کی جانیں بچائیں اور لاکھوں سر کٹوائے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اے زبان! یاد رکھ ہم تیرا کہنا نہ مانیں گے اور تیرے قابو میں ہرگز نہ آئیں گے۔ ہم تیری ڈور ڈھیلی نہ چھوڑیں گے اور تجھے مطلق العنان نہ بنائیں گے۔ ہم اپنی جان پر کھیلیں گے پر تجھ سے جھوٹ نہ بلوائیں گے۔

مولانا الطاف حسین حالی نے زبان کے نام بھی رکھے اور انھیں لقب سے بھی نوازا اور خطاب بھی دیا۔ مولانا نے زبان کو بلبل ہزار داستاں، طوطی شیوابیاں، قاصد، ترجمان، وکیل، ساحرفسوں، افعی جاں گداز، دل کی امین اور روح کی ایلچی یہ نام دیے اور مرشد برحق اور خطاب کاشفِ اسرار اور لقب محرم راز

اور مولانا الطاف حسین حالی نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ الٰہی! اگر ہم کو رخصت گفتار ہے تو زبان فراست گفتار دے اور اگر دل پر تجھ کو اختیار ہے تو زبان پر ہم کو اختیار دے۔ جب تک دنیا میں رہیں سچے کہلائیں اور جب تیرے دربار میں آئیں تو سچے بن کر آئیں، آمین۔

پیارے بچو! گفتگو کیجیے مگر نرمی کے ساتھ اور محبت کے ساتھ وقار کے ساتھ کیجیے۔ کسی پر طنز مت کیجیے، کسی کو برا بھلا مت کہیے ہمیشہ سچ بولیے۔

■

Syed Ubedullah Hashmi
Pathan Mohalla Pathri
Dist. Parbhani, Maharashtra

پانی

جھیل میں پانی تھم سا جائے
جھرنا بن کے بہتا جائے
بن اس کے سب مرجھا جائے
بوند پڑے تو خوشبو آئے
پانی کو اب سمجھا جائے
بوند بوند وہ بہہ نہ جائے
ہری بھری یہ فصل اگائے
رنگ برنگے پھول کھلائے
میٹھے رسیلے پھل بھی لائے
ہم سب کی یہ پیاس بجھائے
پانی کو اب سمجھا جائے
بوند بوند وہ بہہ نہ جائے
پانی کو نہ ترسا جائے
کوئی پیاسا رہ نہ جائے
اب اس میں نہ دیر لگائے
یہ دنیا پھر جل نہ جائے
پانی کو اب سمجھا جائے
بوند بوند وہ بہہ نہ جائے
ذاکر اب یہ دعا پڑھائے
گرمی سے تو خدا بچائے
جھوم جھوم کے بارش آئے
ہر چہرے پہ رونق لائے

Shaikh Zakiruddin Zakir
Lecturer Dr. Zakir Husain College
Shah Ganj, Aurangabad (Maharashtra)

کوثر بھگوت پوری

پیڑ پودے

ہر نفس ٹھنڈی ہوائیں دیتے رہتے ہیں تجھے
زندگی بھر یہ دعائیں دیتے رہتے ہیں تجھے
پھولوں کی رعنائیوں کے ساتھ میٹھے پھل
اور کتنی ہی دوائیں دیتے رہتے ہیں تجھے

ہر مخالف موسموں میں ننھے پودوں کا جہاد
جھیل کر کتنی مصیبت پھر بھی وہ رہتے ہیں شاد

ایک اَنکُر سے نکل کر دیکھیے کس شان سے
پیڑ بن کر کے تناور کہتے ہیں پھر زندہ باد
ساری دھرتی کے مناظر خوش نما پائندہ باد

ہے ہمارے سیکھنے کا اور عبرت کا مقام
ان کا رفتہ رفتہ بڑھنا ہر گھڑی ہر صبح و شام

ان کی ہے بس ایک ہی دُھن کامرانی کے لیے
اپنی خاطر اور سب کی زندگانی کے لیے

شاخ بھی کٹ جائے تو بوجھل نہیں ہوتے ہیں یہ
اور کسی کی آنکھ سے اوجھل نہیں ہوتے ہیں یہ

بلکہ پہلے سے بھی زیادہ کرتے ہیں سنگھرش تیز
اور بس اس کے ہی باعث ہوتے ہیں پھل پھول ریز

بس اسی سنگھرش کے کارن ہی یہ شاداب ہیں
زندگی جینے کی خاطر کس قدر بے تاب ہیں

بیج سے انکر یا کونپل پھوٹتے ہیں جس گھڑی
پھر وہی بن جاتے ہیں اک زندگانی کی کڑی

روز بڑھتے پتے پتے خوبصورت سے ورق
دیتے رہتے ہیں ہمیں ہر لحہ جینے کا سبق

کہ کرو سنگھرش ہر دم ہر نفس باہم مدام
بس اسی سے زندگانی کا بنے گا سارا کام

Kausar Bhagwat Puri
At/P.O: Bhagwatpuri
Via: Sarai Sanjam
Distt.: Samastipur - 848127

سید مجیب الرحمن

جادوگر کی سوئی

کسی زمانے میں ایک جادوگر تھا۔ اس کا نام 'سی سی' تھا۔ اس کے پاس ایک عجیب وغریب سوئی تھی جو اس کے حکم دیتے ہی سینا شروع کر دیتی تھی اگر وہ کہتا ''سوئی مجھے ایک تھیلا سی دو۔'' تو وہ فوراً ہی تھیلا سی دیتی تھی۔

ایک دن بالشتیے کو آلوؤں کے لیے کچھ بوروں کی ضرورت پڑی۔ اس کے پاس اتنے روپے نہ تھے کہ وہ نئے بورے خریدتا۔ اس لیے بالشتیے نے سوچا کہ دری کے پرانے ٹکڑوں سے ہی کچھ بورے بنا لیے جائیں لیکن اسے تو سینے پرونے سے نفرت تھی اس لیے ایک ہی بورا سی کر وہ اکتا گیا۔ اس نے سوچا کہ اگر مجھے سی سی کی سوئی مل جاتی تو کتنا اچھا ہوتا۔

یہ سوچ کر اس نے جادوگر کے پاس جا کر اس سے جادو کی سوئی مانگنے کا ارادہ کیا، چنانچہ وہ ٹوپی پہن کر چل کھڑا ہوا اور جا کر جادوگر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ سی سی باہر نکلا تو بالشتیے نے کہا ''مجھے اپنی جادو کی سوئی ادھار دے دو۔''

سی سی نے جواب دیا۔ ''میں اپنی سوئی کسی کو نہیں دیتا کیونکہ یہ بہت قیمتی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کر لیا اور بالشتیہ پریشان کھڑا رہ گیا۔ وہ جانے ہی والا تھا کہ اس کی نظر باورچی خانے کی کھڑکی پر پڑی، وہاں ایک میز پر سوئی رکھی ہوئی تھی۔ بالشتیے کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''اوہو! سوئی تو وہ رہی، اب مجھے کون روک سکتا ہے، میں اسے لے جاؤں گا اور سی سی کو پتہ بھی نہ چلے گا اور میں اپنا کام نکال کر اسے واپس یہیں رکھ جاؤں گا اور جادوگر کی ساری چالاکی دھری رہ جائے گی۔'' چنانچہ اس نے کھڑکی میں ہاتھ ڈال کر سوئی اٹھائی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ ذرا سی دیر میں ہی وہ گھر پہنچ گیا۔

اس نے جلدی جلدی دری کے پرانے ٹکڑے جمع کر کے زمین پر رکھ دیے اور ان کے بیچ میں سوئی رکھ کر کہا۔

''سوئی..... سوئی..... مجھے جلدی سے بورے سی کر دے دو۔'' فوراً ہی ننھی سی سوئی کام میں لگ گئی۔ وہ اچک کر دری

کے ایک ٹکڑے میں پہنچی اور دم بھر میں عمدہ بورے سی دیے۔

سوئی میں ہمیشہ ایک لمبا سا دھاگہ رہتا تھا اور اسی سے وہ سیتی تھی۔ بالشتیے کو اس کام میں بڑا لطف محسوس ہو رہا تھا اور وہ بڑے مزے سے میز پر بیٹھا سوئی کی سلائی دیکھ رہا تھا۔

بالشتیہ کچھ زیادہ ہی لالچ میں پڑ گیا اور اس نے سوچا کہ کیوں نہ بہت سارے بورے فالتو بھی سی لیے جائیں لہٰذا اس نے سوئی کے آگے دری کے اور بھی ٹکڑے ڈال دیے۔

پانچ منٹ میں ہی سوئی نے تمام بورے سی دیے تھے اور آخری بورا سیتے وقت بالشتیہ سوچ رہا تھا کہ سوئی ٹھہر جائے تو میں اسے سی سی کے یہاں رکھ آؤں لیکن سوئی نے سینا بند نہیں کیا بلکہ بالشتیے کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ سوئی کمرے کے خوب صورت قالین کو بھی بورے کی شکل میں سی رہی تھی۔ بالشتیے کو بہت غصہ آیا اور وہ چلایا۔ ''اے سوئی ٹھہر جاؤ۔ میرا نیا قالین مت خراب کرو۔ مجھے اب اور زیادہ بوروں کی ضرورت نہیں ہے۔''

سوئی نے سنی ان سنی ایک کر دی اور قالین کو بورے کی طرح سیتی گئی، بالشتیہ جھپٹا کہ اسے روک دے لیکن سوئی بڑی تیزی سے اس کی انگلی میں چبھی اور وہ درد سے چلانے لگا۔

''خوفناک سوئی! جب تم سے کہا جاتا ہے کہ رک جاؤ تو رکتی کیوں نہیں ہو؟ میں کہتا ہوں اب رک جاؤ۔ سوئی نے اس بار بھی نہیں سنا جب وہ قالین کے بورے بنا چکی تو بالشتیے کے خوب صورت سرخ پردے پر جھپٹی اور اس کا بھی بورا بنانے لگی۔

یہ پردے بالشتیے نے خود بنائے تھے اور ان کو خراب ہوتا وہ نہیں دیکھ سکتا تھا لہٰذا اس نے دست پناہ اٹھایا اور چپکے چپکے سوئی کے قریب گیا اور جھپٹ کر سوئی کو پکڑنا چاہا لیکن بیکار..... سوئی پکڑ میں نہیں آئی اور بالشتیے کے بازو میں اتنی زور سے جا گھسی کہ وہ درد کے مارے چیخنے لگا۔

اب سوئی نے دوسرا پردہ اٹھایا اور اس کا بھی بورا بنا ڈالا، پھر وہ اچک کر میز پر پہنچی اب سوئی حسین نیلے میز پوش کا بورا بنا رہی تھی۔

بالشتیہ چیخ پڑا۔ ''یہ نہیں ہو سکتا..... یہ ناممکن ہے..... یہ میری سالگرہ کا تحفہ ہے..... تم اسے خراب نہیں کر سکتیں۔'' یہ کہہ کر وہ میز پر چڑھ کر بیچوں بیچ میں جم کر بیٹھ گیا تا کہ سوئی، میز پوش کا بورا نہ بنا سکے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ دم بھر میں میز پوش سلنے لگا اور کیا غضب ہوا کہ بالشتیہ بھی اس بورے کے اندر بند ہو گیا۔ سوئی نے بورے کو خوب کس کر، سی دیا تھا اور کھڑکی کی طرف اچک کر باہر اڑ گئی۔

بے چارہ بالشتیہ! وہ نیلے میز پوش کے اندر سلا ہوا میز پر بیٹھا رہا۔ اس نے ہاتھ پاؤں ہلائے، تلملایا، چیخا اور چلایا..... لیکن باہر نہ نکل سکا اس کے دوستوں نے چیخ و پکار کی آواز سنی تو بھاگے ہوئے مدد کو آئے..... اور بالشتیے کو اس حالت میں دیکھ کر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے اور قینچی لے کر انھوں نے بورے کو کاٹنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے کیونکہ

دھاگہ جادو کا تھا اور بڑی کوشش کے بعد بھی وہ اسے کاٹ یا توڑ نہ سکے۔ آخر کار اس کے دوستوں نے کہا۔

''بھائی بالشتیے! تمھیں آزاد کرنا ہم لوگوں کے بس میں نہیں ہے اس کے لیے سی سی جادوگر کی مدد لینی ہوگی۔ چلو، ہم سب تمھیں اٹھا کر وہاں لے چلتے ہیں۔''

بے چارہ بالشتیہ..... آخر کار سبھی دوست اس کو اٹھا کر، سی سی کے گھر پہنچے اور اس نے دروازہ کھولا اور بالشتیے کو میز پوش میں سلا ہوا دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑا اور بولا۔

''میں جانتا ہوں، تم پر کیا بیتی ہے۔ میں نے تمھیں سوئی لے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر کچھ کہا نہیں تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ سوئی خود تمھیں سزا دے گی اب تم بورے سے باہر کیسے نکلو گے؟''

''مہربانی کر کے میری مدد کرو، سی سی!'' بالشتیے نے التجا کی۔

''ہرگز نہیں۔'' جادوگر نے کہا۔ تم نے خود یہ مصیبت مول لی ہے۔ اب تمھیں خود ہی اس سے پیچھا چھڑانا ہوگا۔''

''ارے سی سی بابا! بے چارے کو بہت افسوس ہے اس کی مدد کرو۔'' بالشتیے کے دوستوں نے بھی سفارش کی۔

''اچھا میں تمھیں اس شرط پر نکالوں گا کہ تم ایک ہفتے تک روز آ کر میرے باغ کی ترائی کرو گے۔ سی سی نے شرط لگائی۔ بالشتیے کو ترائی کرنا بھی پسند نہ تھا۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا فوراً ہی راضی ہو گیا سی سی جادو کی قینچی لایا اور دھاگے کاٹ دیے اور بالشتیہ آزاد ہو گیا اور وہ بھاگا بھاگا گھر گیا اور سارا دن قالین اور پردوں کی سیون ادھیڑتا رہا۔ جب سویا تو بالشتیہ بہت اداس تھا۔ اس کے بعد ہفتہ بھر تک وہ روز آ نہ جادوگر کے باغ کی ترائی کرنے جاتا رہا اب اسے اچھا سبق مل گیا تھا اور اس نے عہد کیا کہ آئندہ بغیر مانگے کسی کی بھی چیز نہیں لے گا۔

■

Syed Mujeebur Rahman
550, Churiwalan
Delhi - 110006

گوہر رفیع شاذ

دوستی

بچوں کی دوستی بھی بالکل انھیں کی طرح معصوم، نازک کومل اور نادان ہوتی ہے۔ کسی نے بسکٹ، چاکلیٹ یا آئس کریم دکھلا دیا۔ بس ہوگئی دوستی۔ کسی کے ساتھ دو چار دن کھیل لیے یا پتنگ بازی کر لی پھر ہوگئی دوستی اور ذرا سی تکرار یا لڑائی ہوئی تو منٹوں میں کٹی کٹی کہہ کر دوستی ختم یعنی نہ انھیں دوستی کرتے دیر لگتی ہے اور نہ ہی اسے توڑتے۔

لیکن جیسے جیسے وہ بڑے ہوتے جاتے ہیں ان کی دوستی بھی ویسے ویسے مضبوط اور مستحکم ہوتی چلی جاتی ہے۔ خاص کر بچوں کی دوستی ہی دنیا کی ہر خودغرضی اور لالچ سے پاک وصاف ہوتی ہے۔ ورنہ آجکل دوستی کے اتنے روپ ورنگ ہوگئے ہیں کہ انھیں شمار کرنا بھی مشکل ہوگیا ہے۔

مگر اس ترقی یافتہ اور کمپیوٹر کے زمانے میں بھی آفتاب، مہتاب، دلشاد اور نوشاد کی دوستی کافی انوکھی اور نرالی تھی۔ حالانکہ ان کی دوستی بھی گلی محلے اور کھیل کے میدان سے ہی شروع ہوئی تھی مگر اوروں کی طرح وقتی اور مطلبی نہیں تھی۔ وہ کھیل کے جس میدان میں اتر جاتے تھے سب پر بھاری پڑتے تھے۔ کرکٹ میں تو ان کی اچھی مہارت تھی۔ بیٹنگ، بالنگ اور فیلڈنگ تو ان کی دیکھتے ہی بنتی تھی۔ اس لیے گلے ملے اور اسکول کے بہت سے بچے ان سے جلتے تھے اور چلتے پھرتے اکثر ان پر طنز کسا کرتے تھے۔

مگر چاروں دوست کبھی کسی کو کچھ نہیں کہتے کیونکہ غلط اور برے بچوں سے منھ لگانا ان کی فطرت میں شامل نہ تھا۔ وہ تو صرف اپنی پڑھائی اور اپنے کام سے ہی مطلب رکھا کرتے تھے۔ اس لیے ہر میدان میں وہ کامیاب بھی تھے۔

چونکہ نوشاد اپنے سبھی دوستوں سے بہت زیادہ غریب لڑکا تھا۔ اس لیے تینوں اس کی ہر ممکن امداد کر دیا کرتے تھے۔

آفتاب اپنی امی جان سے کبھی کچھ کھانے کے لیے تو کبھی کپڑے مانگ کر لاتا تھا۔ مہتاب کبھی کوئی پکوان تو کبھی قلم اور کتاب کے لیے کچھ پیسے لا کر دیا کرتا تھا، مگر دلشاد کی امی کچھ الگ ہی سوچ رکھتی تھیں۔ اس لیے وہ جو بھی مدد کرتا تھا اپنے خرچے کے پیسے میں سے ہی۔

کہا جاتا ہے کہ برے وقت میں جب سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اس وقت ایک سچا دوست ہی کام آتا ہے اور نوشاد کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہورہا تھا۔ وہ اپنے دوستوں کی مدد سے سرکاری اسکول میں ہی سہی مگر بڑے آرام سے پڑھ رہا تھا۔ جبکہ اس کے تینوں دوست الگ الگ پرائیویٹ اسکولوں میں پڑھ رہے تھے۔

خدا کی رحمت سے نوشاد دسویں کے امتحان میں فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوا اور سرکار کی طرف سے اسے دس ہزار روپے کا وظیفہ بھی ملا۔ سرکار بچوں کو یہ روپیہ آگے کی پڑھائی کے لیے دیتی ہے۔ زندگی میں پہلی بار نوشاد اتنا روپیہ پاکر پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اپنی خوشی کو اور دوبالا کرنے کے لیے اپنے دوستوں کے لیے مٹھائی کے ڈبے لے کر ان کے گھر گیا۔

آفتاب اور مہتاب کی امی نوشاد کے ہاتھ سے مٹھائی کا ڈبہ لے کر بہت خوش ہوئیں اور ڈھیر سی دعائیں بھی دیں مگر دلشاد کی ماں مٹھائی کا ڈبہ اپنے ہاتھ میں لیتے ہی کافی شرمندہ ہوئیں اور زبان سے کچھ کہہ نہیں پائیں۔ کیونکہ اکثر وہ جس کے خلاف اپنے بیٹے کے سامنے زہر اگلا کرتی تھیں۔ آج وہی لڑکا ان کے پاس مٹھائی کا ڈبہ لے کر آیا تھا۔

■

Gauhar Rafi Shad Seewani
Janta Market, Saudagar Patti Road
Kishan Ganj - 855108 (Bihar)

■ عطاء الرحمن طارق

جنگل میں فیشن پریڈ

جنگل میں چل نکلا فیشن
بندر پہنے آیا اچکن
ہاتھی پہنے سوٹ پٹھانی
اونٹ پھرے پہنے شیروانی
گینڈا پہنے آیا صدری
چیتے نے پہنی ہے جرسی
شیر ببر نے پہنا چوغا
گیدڑ کوٹ پہن اترایا
ہرن کو بھائے چھینٹ کا کرتا
جینس میں گھومے بارہ سنگھا
لومڑی پہنے — چنیا چولی
زیبرا پہنے چڈا پٹی
بھالو نے باندھا ہے مفلر
اور گدھے نے پہنا کھدر
مور کا جوڑا سب سے بھاری
سارا جنگل جس پہ واری

■

Ataur Rahman Tarique
701/3A, Vijaya Co-op. Hsg. Society
Vaishali Nagar, K.K. Road, Mahalaxmi
Mumbai - 400011 (Maharashtra)

عبدالستار

کہانی

ایکلویہ — ایک انوکھا تیر انداز

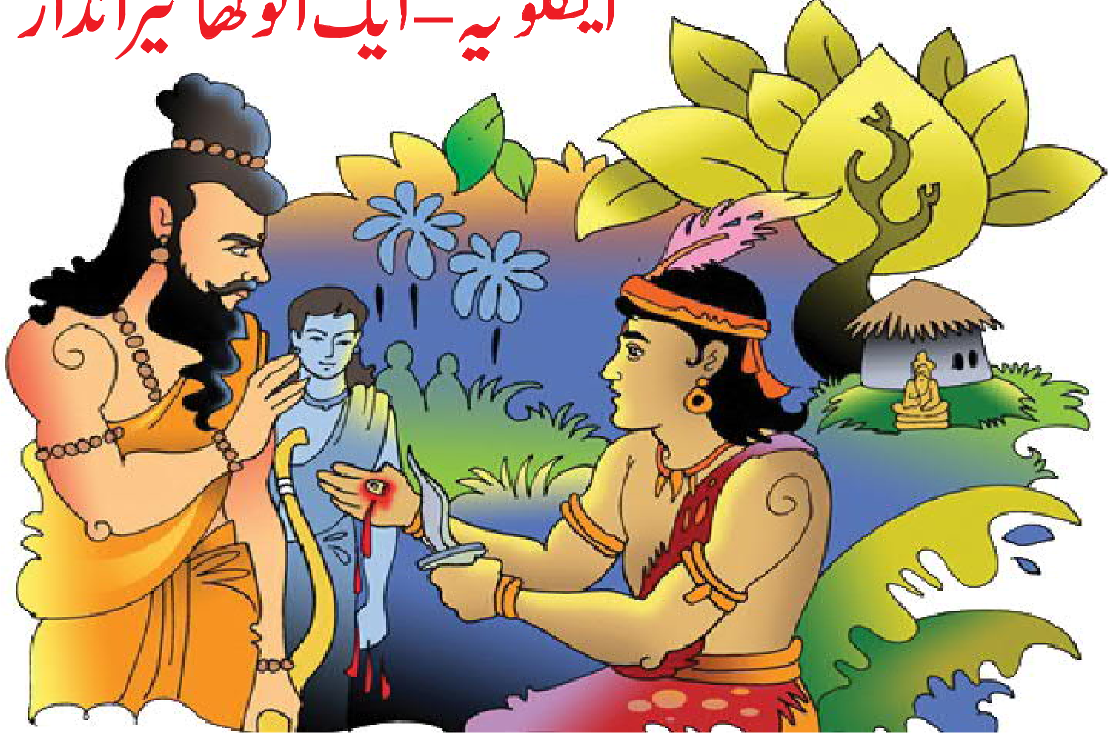

دیکھو بچو! آج میں تمھیں ایک بڑی ہی مزے دار کہانی سناتا ہوں۔

کسی زمانے میں ایک راجہ نے اپنے شہزادوں، وزیروں اور رؤسا کے لڑکوں کے لیے ایک خاص قسم کا اسکول قائم کیا تھا۔ جہاں صرف یہی تعلیم پا سکتے تھے۔ رعایا کے بچوں کے لیے دوسرے اسکول کھولے گئے تھے۔ اس خاص اسکول میں ہر قسم کی تعلیم ہوتی تھی لیکن گھڑ سواری، تیر اندازی، تلوار بازی، تیراکی، نشانہ بازی اور کشتی کی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ ہر علم کے لیے الگ الگ ماہر استاد کو دور دراز سے لاکر یہاں مامور کیا گیا تھا۔

تیر اندازی کا ہنر سکھانے کے لیے درونا چاریہ کو اس اسکول میں خاص طور سے لایا گیا تھا جو اس وقت کے سب سے ماہر تیر انداز تھے۔ درونا چاریہ بڑی لگن سے انھیں تیر اندازی کا ایک ایک سبق سکھاتے۔ جب درونا چاریہ نے سمجھا کہ یہ طالب علم تیر اندازی کے ہنر کو اچھی طرح سیکھ گئے ہیں تو انھوں نے ان کا امتحان لینا چاہا۔ امتحان کے لیے وہ ان سب کو ایک کھلے میدان میں لے آئے۔ سبھوں کے لیے ایک ایک نشانہ طے کر دیا گیا اور انھیں اپنی اپنی تیروں اور کمان سے نشانہ لگانے کو کہا۔ درونا چاریہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے کسی بھی طالب علم نے ایک بھی صحیح نشانہ نہیں لگایا ہے۔ ہر ایک کا تیر نشانے کے بالکل باہر گیا تھا۔ وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ سوچنے لگے کہ آخر یہ کیسے ہوا کہ ان لڑکوں نے کچھ بھی نہیں سیکھا۔

اگلے دن وہ ان بچوں کو لے کر میدان میں آگئے اور یہاں انھیں سبق بھی سکھاتے اور نشانہ بھی لگواتے۔ کچھ ہی دنوں میں لڑکوں میں اس کا فائدہ نظر آنے لگا۔ اب جب کبھی درونا چاریہ نشانہ لگا کر تیر چلانے کو کہتے تو بچے اپنی تیروں کو نشانہ پہ ہی مارتے۔

اسی راج میں کچھ بھیل بھی آباد تھے۔ ان کا مشغلہ کھیتوں میں کام کرنا اور مویشی پالنا تھا۔ ان ہی بھیل کی آبادی میں ایک لڑکا تھا ایکلو یہ۔ یہ دن بھر جنگل میں گھومتا جنگل کے پھل کھاتا اور اپنی غلیل سے پھلوں اور چڑیوں پہ نشانہ لگاتا رہتا۔ اسے نہ جانوروں کو چرانے میں مزہ آتا نہ کسی اور کام میں ہی دل لگتا۔ ہر چیز سے بے نیاز اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ راجہ کے لڑکے تیر چلانے کا ہنر سیکھ رہے ہیں۔ وہ پیڑ کی آڑ میں چھپ کر انھیں دیکھنے لگا۔ اب یہ اس کا روز کا معمول بن گیا۔ وہ روز چھپ کر تیر چلانے کا ہنر سیکھتا اور دل میں یاد کر لیتا اور چاندنی رات میں ان سبق کو دُہراتا۔ اس طرح ایکلو یہ (एकलव्य) ایک ماہر تیرانداز بن گیا۔

اس طرح کچھ وقت گزر گیا کہ ایک دن درونا چاریہ رات کے وقت جنگل میں گھومنے نکل آئے۔ چاندنی رات میں جنگل میں گھومنا درونا چاریہ کو اچھا لگ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دور انھیں کچھ سرسراہٹ کی آواز سنائی پڑی۔ انھوں نے سوچا کہ شاید ان کے شاگرد رات میں تیر چلانے کی مشق کر رہے ہیں۔ وہ آگے بڑھے۔ انھوں نے دیکھا کہ میلا کچیلا کپڑا پہنے ایک لڑکا تیر چلا رہا ہے۔ اس کا ایک بھی نشانہ خالی نہیں جا رہا ہے۔ وہ حیرت میں پڑ گئے اور اس لڑکے کی پیٹھ تھپتھپا کر شاباشی دی۔ اس سے پوچھا

''واہ!! تم تو کمال کے نشانہ باز ہو۔ ایک بھی تیر خالی نہیں گیا۔''

لڑکا درونا چاریہ سے اپنی تعریف سُن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنی تیر کمان کو ایک طرف رکھ کر درونا چاریہ سے ایک اونچی جگہ پر بڑی عزت کے ساتھ بیٹھنے کی گذارش کی۔

درونا چاریہ لڑکے کے اس اخلاق سے اور بھی خوش ہوئے۔ پوچھا کہ ''یہ بتاؤ تم نے یہ ہنر کہاں سے سیکھا اور تمھارے گرو کون ہیں؟''

ایکلو یہ ان کے قدموں میں گر پڑا۔ درونا چاریہ کچھ نہ سمجھ پائے بولے ''اٹھو بیٹے! میں نے تمھارے گرو کا نام پوچھا ہے نہ کہ اپنی تعظیم کے لیے کہا ہے۔''

ایکلو یہ ان کے قدموں میں پڑے ہوئے ہی بولا ''میرے گرو تو آپ ہی ہیں۔'' اتنا کہہ کر ایکلو یہ درونا چاریہ کو ایک مجسمے کے پاس لے گیا اور بولا ''یہ ہے آپ کی مورت۔ میں نے انھیں ہی گرو مان کر یہ ہنر سیکھا ہے۔'' اتنا سننا تھا اور اپنے مجسمے کو دیکھنا تھا کہ وہ غصہ سے تمتما اٹھے۔ بولے

''یہ تو میرا اپمان ہے۔ تم نے میری اتنی بڑی بے عزتی کر دی وہ بھی مجھ سے اجازت لیے بغیر؟'' درونا چاریہ کی باتیں سُن کر ایکلو یہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ ابھی ہی تو درونا چاریہ اس کی تعریف کر رہے تھے اور پیٹھ تھپتھپا رہے تھے آخر انھیں کیا ہو گیا۔ اس نے بڑی عاجزی سے کہا ''گرو جی! آپ تو جانتے ہیں کہ ہم بھیل کے بچوں کو شہزادوں کے اسکول میں پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لیے میں پیڑ کی اوٹ میں چھپ کر تیراندازی کا ہنر سیکھتا اور رات کے وقت چاند کی روشنی میں اپنا سبق دُہراتا۔ اگر مجھے دن کے وقت سبق دہراتے ہوئے کوئی دیکھ لیتا تو میری کھال ہی کھینچ لی جاتی اور آپ کی بھی بدنامی ہوتی۔ اسی لیے میں نے

آپ کی مورت کو ہی اپنا گرو بنا لیا۔ بتائیے کہ میں نے کون سا گناہ کیا۔‘‘ مگر یہ سب سن کر بھی درونا چاریہ کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ ابھی درونا چاریہ اور ایکلو یہ کے درمیان یہ ساری باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایکلو یہ کا پیارا کتا وہاں پر آ گیا اور درونا چاریہ کو دیکھ کر زور زور سے بھونکنے لگا۔ بس کیا تھا۔ ایکلو یہ نے اپنی ترکش سے تیر نکالا اور لگا تیروں کی بارش کرنے۔ ایک ایک کر کے تیر کتے کے کھلے منھ میں سماتے چلے گئے یہاں تک کہ کتے کے بھونکنے کی آوازیں نکلنا بند ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر درونا چاریہ کو اور بھی تعجب ہوا کہ تیر کی نوکوں سے کتا زخمی نہیں ہوا صرف اس کی آواز بند ہو گئی۔ درونا چاریہ کو اپنے شاگردوں کے مستقبل سے گھبراہٹ ہونے لگی اس لیے ایکلو یہ سے تیز لہجے میں کہا ’’تم نے تو گرو دکشنا بھی نہیں دیا؟‘‘ ایکلو یہ نے کہا ’’حکم کیجیے سر! میں اپنا سر آپ کے قدموں میں ڈال دیتا ہوں۔‘‘ مگر درونا چاریہ کو ایکلو یہ کے سر کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے انھوں نے کہا مجھے ایک چھوٹی سی بھینٹ دے دو۔‘‘ ایکلو یہ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا درونا چاریہ نے کہا ’’تم اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا مجھے دے دو۔‘‘ اتنا سننا تھا کہ وہ اپنے گرو کے قدموں میں گر کر زار و قطار رونے لگا بولا ’’میرے آقا! آپ نے مجھ سے کیا مانگ لیا۔ اب تو میں کبھی تیر کو کمان پر نہیں رکھ سکوں گا۔ کبھی نشانہ نہیں لگا سکوں گا۔ مگر آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔‘‘ اس نے جھٹ سے ایک تیر کی کنی سے اپنا انگوٹھا کاٹا اور درونا چاریہ کے قدموں میں ڈال کر جنگل کی طرف چلا گیا۔

■

Abdus Sattar
Wali Mansion, Saadpura Qila
Muzaffarpur - 842002 (Bihar)

جوابات

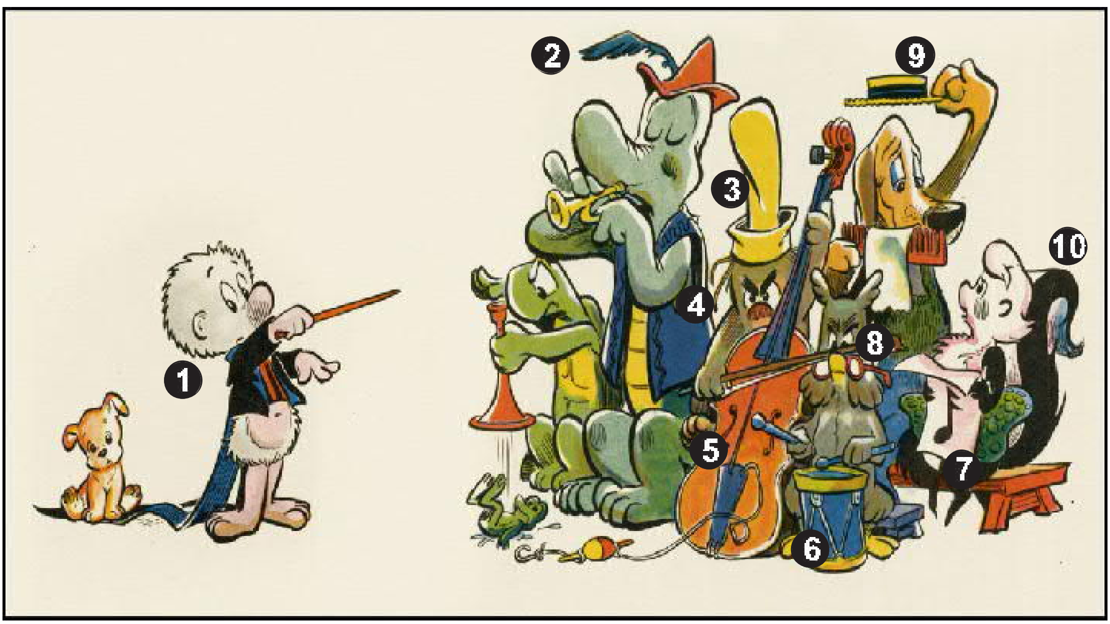

سلیم خان

سچی کامیابی

’’بیٹے آصف، آپ کو موبائل فون ضرور ملے گا۔ لیکن ابھی نہیں۔‘‘

’’تو پھر کب ملے گا ابو !؟‘‘

’’بیٹے آپ دسویں جماعت میں ہیں، اس سال آپ کا بورڈ ایگزام (Board Exam) ہے۔ اگر آپ نے اس امتحان میں فرسٹ گریڈ میں کامیابی حاصل کی تو میں آپ کو آپ کی پسند کا موبائل فون بطورِ تحفہ دوں گا۔‘‘

’’ابو آپ کہیں مجھے چاکلیٹ تو نہیں دے رہے ہیں۔!‘‘

نہیں بیٹے ہم قول و فعل میں پکّے ہیں۔ زبان کی پاس داری تو ہمارے خون میں شامل ہے۔

’’تو ٹھیک ہے ابو، انشاء اللہ میں آپ کی فرمائش ضرور پوری کروں گا۔‘‘

آصف بے حد ہوشیار مگر لا ابالی لڑکا تھا۔ کھیل کود اور گپ بازی میں وہ سب سے آگے تھا لیکن پڑھائی میں اسے خاص دل چسپی نہیں تھی۔ اس کے ابو چاہتے تھے کہ آصف پڑھائی میں دھیان دے اور خوب محنت کرے۔ اسے تعلیم کی اہمیت اور محنت کی عظمت معلوم ہو جائے تا کہ وہ زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب ہو۔ وہ اکثر دعائیں کیا کرتے، ’’اے اللہ میرے بیٹے کو نیک خیالات اور علم کا شوق عطا کر۔‘‘

آصف نے جب اپنے دوست عاقب کو اپنے ابو کی شرط بتائی تو اس نے آصف کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا، ارے یار یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں تمھیں فرسٹ کلاس میں پاس ہونے کی تدبیر بتاتا ہوں، فکر مت کرو۔

’’اچھا کیا تدبیر ہے!؟‘‘ آصف نے بے تابی سے پوچھا۔

’’دیکھو آصف بورڈ کے پرچوں میں بچے نقل کرتے ہیں اور ڈل (Dull) لڑکے بھی فرسٹ کلاس میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس نے آصف کو دو تین مثالیں بتائیں۔

’’ہاں یار یہ تو ہے۔ لیکن اگر...!‘‘

لیکن ویکن۔ اگر مگر کچھ نہیں۔ میں ہوں نہ تمھارے ساتھ اور مرزا سر زندہ باد۔ ان سے دوستی بڑھاتے ہیں۔ بڑے دبنگ آدمی ہیں وہ۔ کاپی کروانے میں بڑے ماہر۔ کئی بُدھو بچوں کو انھوں نے کامیاب کروایا ہے اور پھر... ’’اچھا، اچھا۔

میرے بھائی، ٹھیک ہے۔آصف نے اس کی بات ختم کی۔

آصف گھر پر امی ابو کے سامنے تو برابر پڑھائی کیا کرتا مگر اسکول میں اس کا وہی معمول رہا جو پہلے تھا۔گھڑی ٹِک ٹِک چلتی رہی اور امتحان سر پہ آپہنچا۔ بچے شب وروز پڑھائی کرنے لگے۔

آصف بھی امتحان کے خوف سے فکر مند ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں گھبراہٹ ضرور تھی لیکن دوستوں کے بیچ اس نے کبھی اپنی بے چینی ظاہر نہ ہونے دی۔

اردو زباندانی کا پہلا پرچہ بہت آسان ثابت ہوا۔ بچوں نے ہنستے بولتے حل کرلیا۔ اس سے ان کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ کچھ پرچے آپسی تعاون اور ٹیچرز کی مہربانیوں کے سبب اطمینان بخش رہے۔ مگر آخری پرچے کے دوران اعلیٰ تعلیمی افسران کی وزٹ ہوگئی اور کچھ بچے نقل کرتے ہوئے پکڑے گئے۔ بدقسمتی سے ان میں آصف اور عاقب بھی شامل تھے۔

آفیسر نے ان بچوں کے پرچوں پر (Copy Case) ریمارک دے دیا تھا۔ جب آصف کے ابو کو یہ خبر ملی تو وہ فوراً امتحان گاہ پہنچے اور آصف کو اپنے ساتھ گھر لے آئے۔

آصف نظریں جھکائیں اپنے کمرے کے ایک کونے میں بت بنا بیٹھا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر امی ابو اس کے قریب بیٹھ گئے۔ آصف کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ امی نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا غم نہ کرو، جو ہوا، اسے بھول جاؤ''۔ ''کیسے بھول جاؤں امی، میرے اس پرچے کا نتیجہ فیل (Fail) آئے گا۔'' ''ہاں بیٹا، وہ تو ہوگا ہی کیونکہ غلط کام کا نتیجہ غلط ہوتا ہے۔ کامیابی صحیح راستے پر چل کر ہی ملتی ہے۔ خیر، تمھیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ نئے قانون کے مطابق رزلٹ کے بعد آپ یہ پرچہ دے سکتے ہیں۔ پاس ہونے کی صورت میں آپ کو گیارویں جماعت میں داخلہ مِل جائے گا۔ اس طرح آپ کا ایک سال ضائع ہونے سے بچ سکتا ہے۔'' ابو نے اسے محبت بھرے لہجے میں سمجھایا۔

ابو کی بات آصف کے دل میں اتر گئی تھی۔ رزلٹ آنے کے فوراً بعد اس نے اسکول جا کر دوبارہ پرچہ دینے کی درخواست دی اور پھر اس نے گھومنا پھرنا، فضول باتیں ساری خرافات بالکل بند کردیں۔ رات دن دل لگا کر پڑھائی کرتا رہا۔ اس کی محنت رنگ لائی اور اسے اس پرچے میں 91 فی صد مارکس حاصل ہوئے۔ آصف کا دوست عاقب اور کچھ ساتھیوں کو ناکامی کی وجہ سے گیارویں جماعت میں داخلہ نہیں مل سکا۔ اس واقعے نے آصف کی آنکھیں کھول دی اور اس نے دل میں تہیہ کرلیا کہ اب وہ ہمیشہ اسی طرح کڑی محنت کر کے امتحان دے گا اور اپنے والدین کا نام روشن کرے گا۔

ابو بہت خوش تھے انھوں نے آصف کو شاباشی دی اور کہا، ''بیٹے آپ نے میرے دل میں امیدیں جگا دیں ہیں۔ چلیے میں آپ کو آپ کی پسند کا موبائل فون دلا دوں۔''

''ابو میں آپ سے موبائل فون ضرور لوں گا، لیکن ابھی نہیں۔''

''تو پھر کب...!!؟''

بارہویں جماعت میں فرسٹ کلاس پاس ہونے پر، کیونکہ مجھے سچّی کامیابی چاہیے اور میں جان گیا ہوں کہ سچّی کامیابی صرف محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ آصف کی بات سن کر امی ابو کے چہرے خوشی سے کِھل اٹھے اور انھوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

■

Saleem Khan Ismaeel Khan
Millat Nagar, Faizpur
Distt. Jalgaon - 425503 (Maharashtra)

نذیر احمد یوسفی

سبق

مرزا جاہ علی خود تو کم پڑھے لکھے آدمی تھے لیکن تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کو جانتے تھے۔ ان کے دونوں بچے بال بودھن وِدیالیہ میں پڑھتے تھے، امسال امتحانات میں نمبر کم آئے تو پتہ چلا کہ یہ لوگ ایک شرارتی اور کھیل کود میں دل لگانے والے بچے کے ساتھ وقت برباد کرتے ہیں— انھوں نے بچوں کو وہاں سے ہٹالیا اور شہر کے نامی گرامی اسکول میں داخلہ کرایا جہاں بچوں کو اسکول بس سے آنے جانے کی سہولت تھی۔

سنیچر کا دن تھا، دونوں بھائی شایان اور ارسلان، اسکول سے دو بجے ہی گھر آ گئے تھے، کتابوں کا بستہ الماری میں ڈال کر شایان باتھ روم کی طرف دوڑ گیا تھا اور ارسلان پنکھا کھول کر پلنگ پر بے ترتیب لیٹ کر ہوا کھا رہا تھا کہ ریڈنگ ٹیبل پر رکھا موبائل بجنے لگا۔

اس سے پہلے کہ ارسلان موبائل اٹھاتا، امی کمرے میں داخل ہوئیں کہ اگر بچے منھ ہاتھ دھو کر تیار ہو گئے ہوں تو کھانا لگائیں۔

بجتے ہوئے موبائل نے ان کو اپنی طرف بلا لیا۔

بالمکند کا کال تھا، نام دیکھتے ہی ان کا منھ بن گیا، ایک نمبر کا آوارہ، بدمزاج اور پڑھنے لکھنے سے بھاگنے والا بچہ—

''ہاں، بولو، بالمکند کیا بات ہے؟'' نا چاہتے ہوئے بھی امّی کی آواز قدرے کرخت ہو گئی۔

''نمستے چاچی— میں— بالمکند... بول رہا ہوں—'' رونے اور سسکیاں لینے سے بات ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی— امی نے گھبرا کر سوچا، گھر میں کوئی حادثہ ہو گیا ہے کیا، رونے کی وجہ—؟

ارے! بالمکند بیٹے، کیوں رو رہے ہو، کیا بات ہے بتاؤ؟' گفتگو کی آواز سن کر اب تک، شایان بھی باتھ روم سے باہر آ چکا تھا، اس نے موبائل اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولا—

''بالمکند! بات کیا ہے، کیوں رو رہا ہے اور ہمیں پریشان کر رہا ہے، ہم دونوں بھائی ابھی اسکول سے آئے ہیں اور بھوکے ہیں— جلدی سے بتاؤ ورنہ ہم کھانے پر بیٹھ جائیں

گے——''

''میرے پیارے پیارے شایان، میں وجاہت علی صاحب کے مرغی خانہ کے بغل والے تالاب کے پاس ہوں، میری مدد کرو——''

''وہاں کیا کررہے ہو، گرمی کی اس دوپہر میں؟''

''تم بھی بھوکے ہو اور میں بھی بھوکا ہوں، بات لمبی کرنے سے دونوں کا نقصان ہے، بس جلدی سے دوڑتے ہوئے آجاؤ، اور سنو آتے وقت اپنا ایک جوڑا کپڑا بھی لیتے ہوئے آنا——''

''وہ کیوں، کپڑوں کی کیا ضرورت ہے؟''

''کپڑوں کے ساتھ آؤ، تو خود ہی اس کی ضرورت سمجھ جاؤ گے——''

امی ساری باتیں سن رہی تھیں، انھوں نے حسرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے پوچھا۔

''دوپہر کی اس چلچلاتی دھوپ میں یہ نالائق اور بدتمیز لڑکا، اس سناٹے میں کیا کررہا ہے اور ایک جوڑا کپڑا بھی مانگ رہا ہے، کیسی پہیلی ہے؟ کیا کروں، تمھیں بھوک بھی لگی ہوگی؟''

امی آپ بیکار پریشان ہورہی ہیں، بس میرے کپڑے نکال دیجیے اور ایک گلاس شربت پلا دیجیے——میں اکیلا نہیں ارسلان کو بھی ساتھ لیے لیتا ہوں آپ کے اطمینان کے لیے——

امی نے لپک کر، فریج سے شربت کی بوتل نکالی اور گلاس میں ڈھال کر دونوں بیٹوں کو پیش کردیا۔

وہ دونوں گھر سے باہر نکلے، ارسلان نے سائیکل لے کر چلنے کی صلاح دی لیکن شایان نے انکار کردیا، راستہ کچا بھی تھا اور اوبڑ کھابڑ بھی، راستے میں جھاڑ جھنکاڑ، الگ راہ چلنے والوں کو تکلیف دینے کے لیے سر اٹھائے کھڑے تھے۔

گرم ہوا کے تھپیڑے کھاتے ہوئے دونوں بھائی ویران جگہ کے اس تالاب کے نزدیک پہنچے ہی تھے کہ بالمکند ایک بڑے سے پیڑ کی آڑ سے سامنے آگیا——

ننگا، سر سے پاؤں تک ننگا، بدن پر صرف ایک چڈّی ہی تھی، یہ دونوں بھائی اس حالت میں اسے دیکھ کر پہلے شرمائے اور پھر حیرت میں پڑ گئے، بالمکند پاگل ہوگیا ہے کیا، آٹھویں درجے میں پڑھنے والا ہٹا کٹا لڑکا اور اس طرح کی نازیبا حرکت——

بہرحال جب وہ دونوں قریب پہنچے تو وہ روتے ہوئے ان کے پیروں پر گر گیا، شایان بڑا تھا اور بالمکند کا دوست بھی——دل بڑھانے اور تسلی دینے کی نیت سے بڑی بے تکلفی سے بولا:

''بالمکند! بے ہودے کہیں کا، کپڑے پہن پھر بات کریں گے، وقت برباد مت کر، ہمیں بھوک لگی ہے——''

بالمکند نے شایان کے کپڑے کسی طرح پہن لیے، ارسلان خاموش کھڑا آتی جاتی ان حقیقی تصویروں کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ دال میں ضرور کہیں کالا ہے۔

واپسی میں راستہ جلد ہی طے ہوگیا، تینوں گھر پہنچے، امی بے حد فکرمند تھیں اور ان بھوکے بچوں کی منتظر بھی۔

کھانا ٹیبل پر پڑا کھانے والوں کے انتظار میں تھا۔

امی کو بے چینی تھی، کھانا ختم ہوا تو بڑی بیقراری سے بالمکند سے پوچھ بیٹھیں۔

''اب بتاؤ کہ اس حادثے میں سچ کتنا ہے اور جھوٹ کتنا؟''

''چاچی! بالمکند نے کانوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور بولا۔

''ایک دم سچ کہوں گا، ذرا بھی جھوٹ شامل نہیں کروں

گا— آج کے بعد میں خود کو بدلوں گا، ایک اچھے اور پڑھنے والے لڑکے کی صورت میں، آج کے اس بھیانک حادثے نے مجھے بہت بدل دیا ہے'' — سو دن کا بھولا ایک دن گھر واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے، امی نے سسکیاں لیتے بالمکند کے سر پر ہاتھ رکھا— ''تو تو اچھا بچہ ہے، بس ذرا کھلنڈرا ہے، تجھے پڑھائی سے کھیل اچھا لگتا ہے، اچھا چل پوری بات بتا!''

شایان اور ارسلان خاموش بیٹھے تھے، بالمکند نے کہنا شروع کیا۔

''آج سنیچر ہے، آدھے دن کے لیے اسکول کیا جاؤں، تھوڑی سی تفریح کر کے گھر واپس آجاؤں گا۔ یہ سوچتے ہوئے گھر سے اسکول کی طرف بڑھ رہا تھا کہ غصہ میں بپھرا ہوا ایک آوارہ سانڈ دوڑتا ہوا دکھائی دیا، میرے تو ہوش اڑ گئے، جان بچانے کے لیے اگر میں بے تحاشہ جنگل کی طرف نہ بھاگتا تو وہ مجھے کچل دیتا، بھاگتے بھاگتے میں نے پلٹ کر دیکھا، وہ اچھلتا کودتا، پاگلوں کی طرح پھوں پھوں کی آواز نکالتا میری طرف ہی آرہا تھا، میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، خود کو بچانے کے لیے کتابوں کے بیگ کے ساتھ تالاب میں میں کود گیا، ڈبکیاں لیں تب کہیں اوسان بحال ہوئے، سر اٹھا کر دیکھا تو وہ کہیں دکھائی نہیں دیا، سانڈ کو سامنے نہ دیکھ کر بہت اطمینان ہوا، پانی سے باہر نکلا، کپڑے بھیگ گئے تھے۔ کتابوں کا بھاری بیگ بھی چین خراب ہونے کی وجہ سے پانی سے بھر گیا تھا اور کتابیں اور کاپیاں تر بہ تر ہو گئی تھیں۔

بھیگے کپڑے اور بھیگی کتابیں لے کر نہ گھر جا سکتا تھا اور نہ ہی تفریح کے لیے بازار، اس ویرانے میں کون آتا ہے، دھوپ تیز ہے آدھے گھنٹے میں سب سوکھ جائیں گے چنانچہ میں نے کتابوں کے ساتھ کپڑے بھی اُتار کر دھوپ میں ڈال دیئے اور کوئی دیکھ نہ لے قریب کے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

آج کا دن میرے لیے، بڑا خراب تھا، دس منٹ بعد ہی وہ بھاری بھر کم سانڈ ڈکارتا ہوا پھر قریب آپہنچا مجھے اطمینان تھا کہ وہ مجھ تک نہیں پہنچے گا اور اپنی راہ لے گا لیکن بھگوان کو تو میری آوارگی کی سزا دینی تھی، اس لیے وہ سانڈ میرے کپڑے، کتابیں اور کاپیاں، کئی دن کے بھوکے کی طرح چبا گیا جیسے برسوں کا بھوکا ہو۔

پورے دو گھنٹے درخت پر تنہا بیٹھا روتا رہا اور اپنی غلطی کی معافی مانگتا رہا، نجات کی صورت یہی نظر آئی کہ شایان کو فون کروں—

بات ختم ہوئی تو یکبارگی سب کے سب ہنس پڑے، امی بھی شایان بھی اور ارسلان بھی— بالمکند ہونّق کی طرح سبھوں کا منھ دیکھتا رہا، پھر امی بولیں ''چل بہت ہو گیا، آج تو ایک اچھے بچے کی طرح گھر جا اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے یہ تہیہ کرنا کہ آج کے بعد آئندہ کسی دن بھی اسکول ناغہ نہیں کرے گا اور کھیل کود، شرارت اور بے کار کی آوارگی سے خود کو اور دوسروں کو بھی بچائے گا۔''

شایان کے ابا نے تیرے اسکول سے انھیں نکال کر دوسرے اسکول میں داخلہ دلایا ہے اس لیے اس کی تمام کتابیں اب تیرے کام آجائیں گی، اطمینان رکھ۔

بالمکند گھر جانے کے لیے اٹھا تو پہلے نیک بچے کی طرح امی کے پاؤں چھوئے اور شایان اور ارسلان سے ہاتھ ملایا پھر خوشی خوشی گھر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

■

Nazir Ahmad Yousufi
'Urdu Darbar' Rahmania School Street
Asansol - 713302 (West Bengal)

داستاں گو آیا ہے

مصنف: رتن سنگھ

مصور: فخر الدین

آخر لکڑ ہارا سپنے میں چلتا چلتا
آگے بڑھتا رہا۔ اور آخر وہ ایک برگد کے نیچے پہنچ گیا۔
برگد، آپ جانتے ہیں کہ پیڑوں کا بادشاہ ہے۔
بادشاہ ہے، مگر خود کو زِندگی کا خادم سمجھتا ہے۔
اُسی نے ہوا کے ذریعے پیغام بھیجا تھا۔
اور لکڑ ہارے کو پیڑ کاٹنے سے روکا تھا۔

لکڑ ہارا سوتے میں سپنا دیکھ رہا تھا۔
مگر خود کو جاگتا ہُوا سمجھ رہا تھا۔
اُسے جب یہ احساس ہوا کہ وہ جنگل کے بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا ہے
تو اُس نے سوچا۔ میرے لیے اپنی بات کہنے کا یہی موقعہ ہے۔
اُس نے ہمت بٹوری اور یوں گویا ہوا
حضور! لکڑی نہیں کاٹوں گا تو بیچوں گا کیا؟
اِسی میں روزی ہے۔ روٹی ہے، اِسی سے اپنا گزارا کرتا ہوں
یہ سہارا نہ رہا تو آج نہیں تو کل مرتا ہوں۔
تھوڑی دیر کے لیے وہاں سناٹا چھا گیا
تبھی ہوا کا ایک ٹھنڈا میٹھا جھونکا آیا
اُس نے لکڑ ہارے کو دِلاسہ دِیا
اور آخر یوں گویا ہوا۔

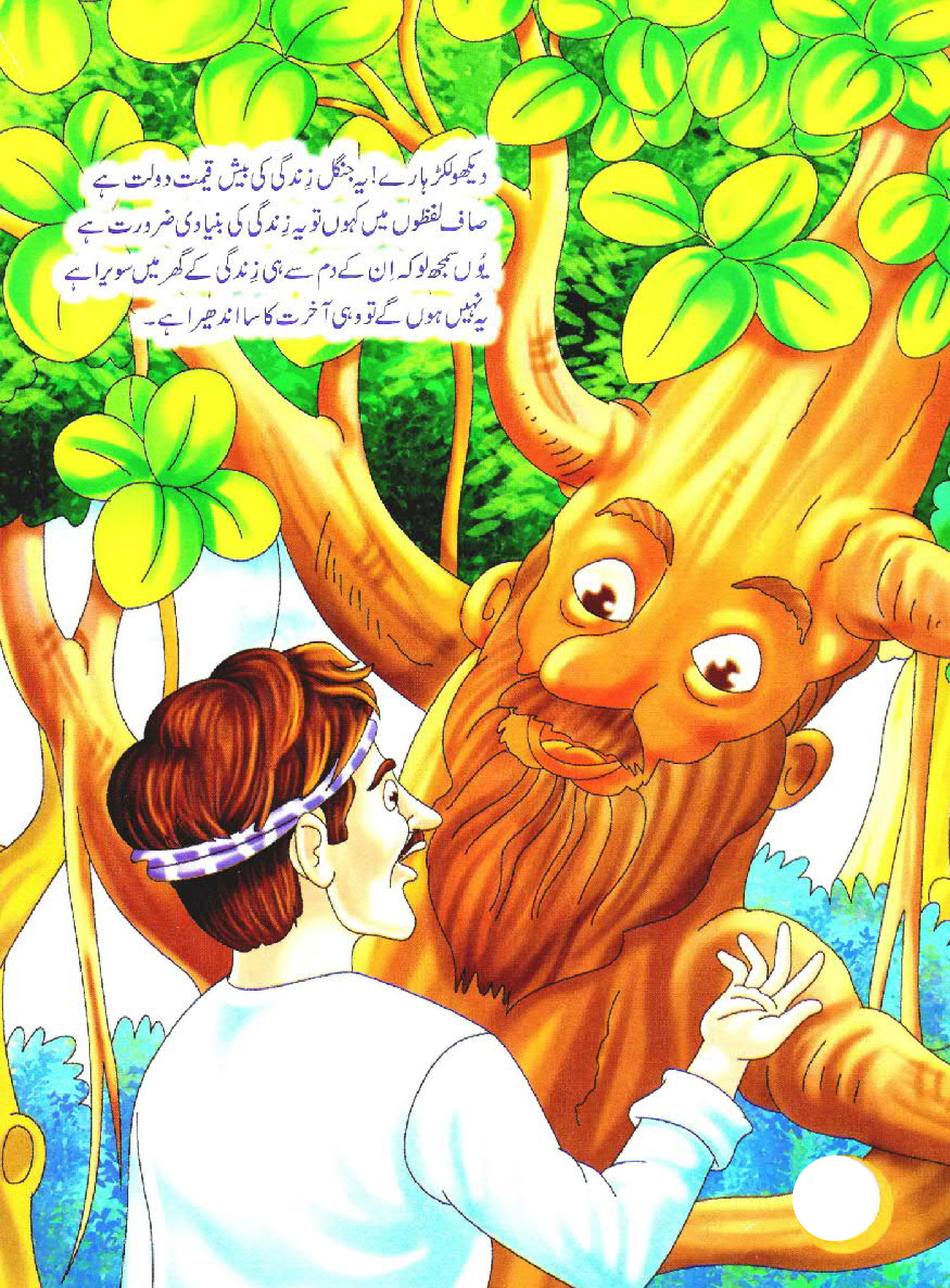
دیکھو لکڑہارے! یہ جنگل زِندگی کی بیش قیمت دولت ہے
صاف لفظوں میں کہوں تو یہ زِندگی کی بنیادی ضرورت ہے
یُوں سمجھ لو کہ اِن کے دم سے ہی زِندگی کے گھر میں سویرا ہے
یہ نہیں ہوں گے تو وہی آخرت کا سا اندھیرا ہے۔

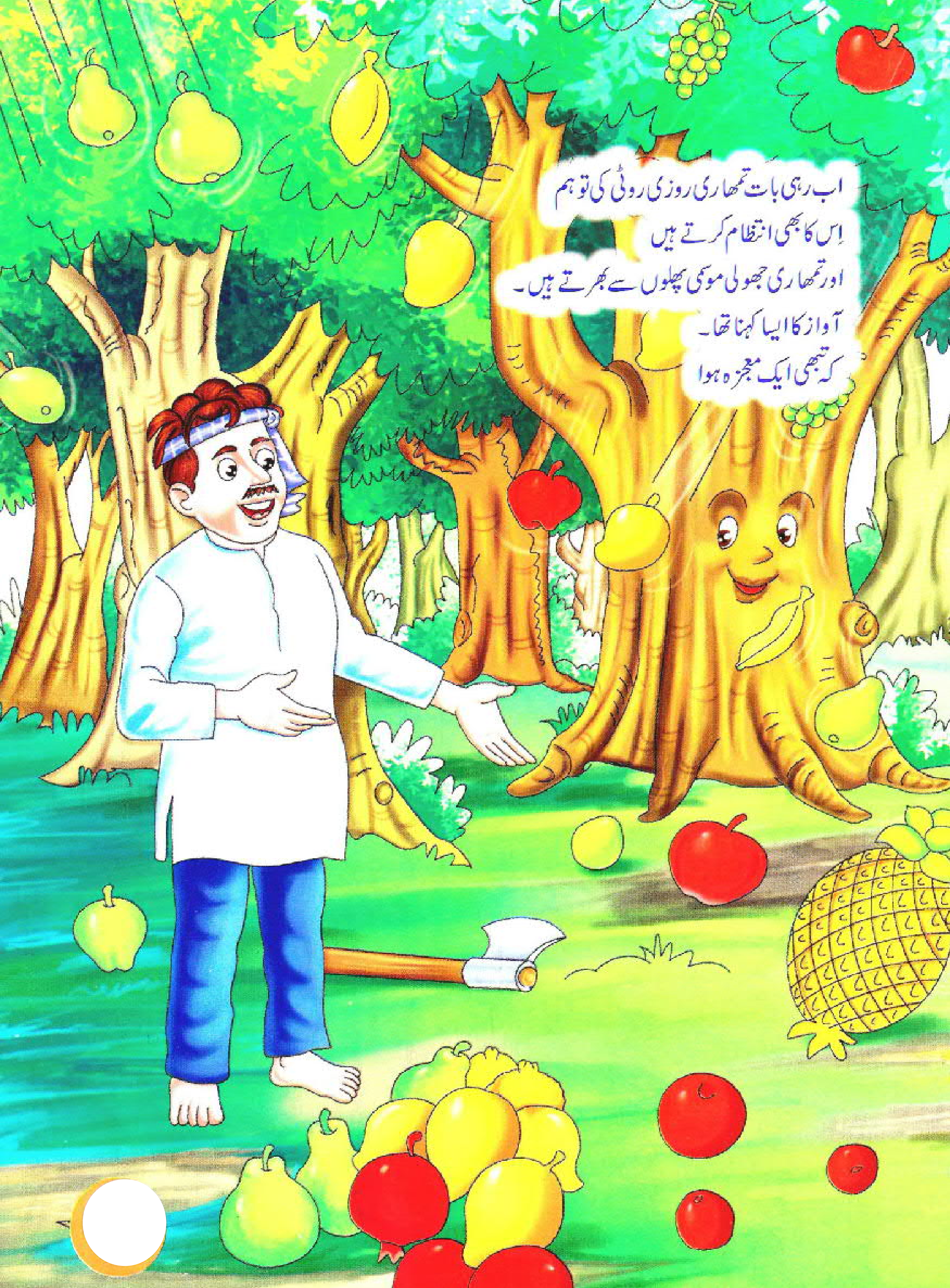

اب رہی بات تمھاری روزی روٹی کی تو ہم
اِس کا بھی انتظام کرتے ہیں
اور تمھاری جھولی موسمی پھلوں سے بھرتے ہیں۔
آواز کا ایسا کہنا تھا۔
کہ تبھی ایک معجزہ ہوا

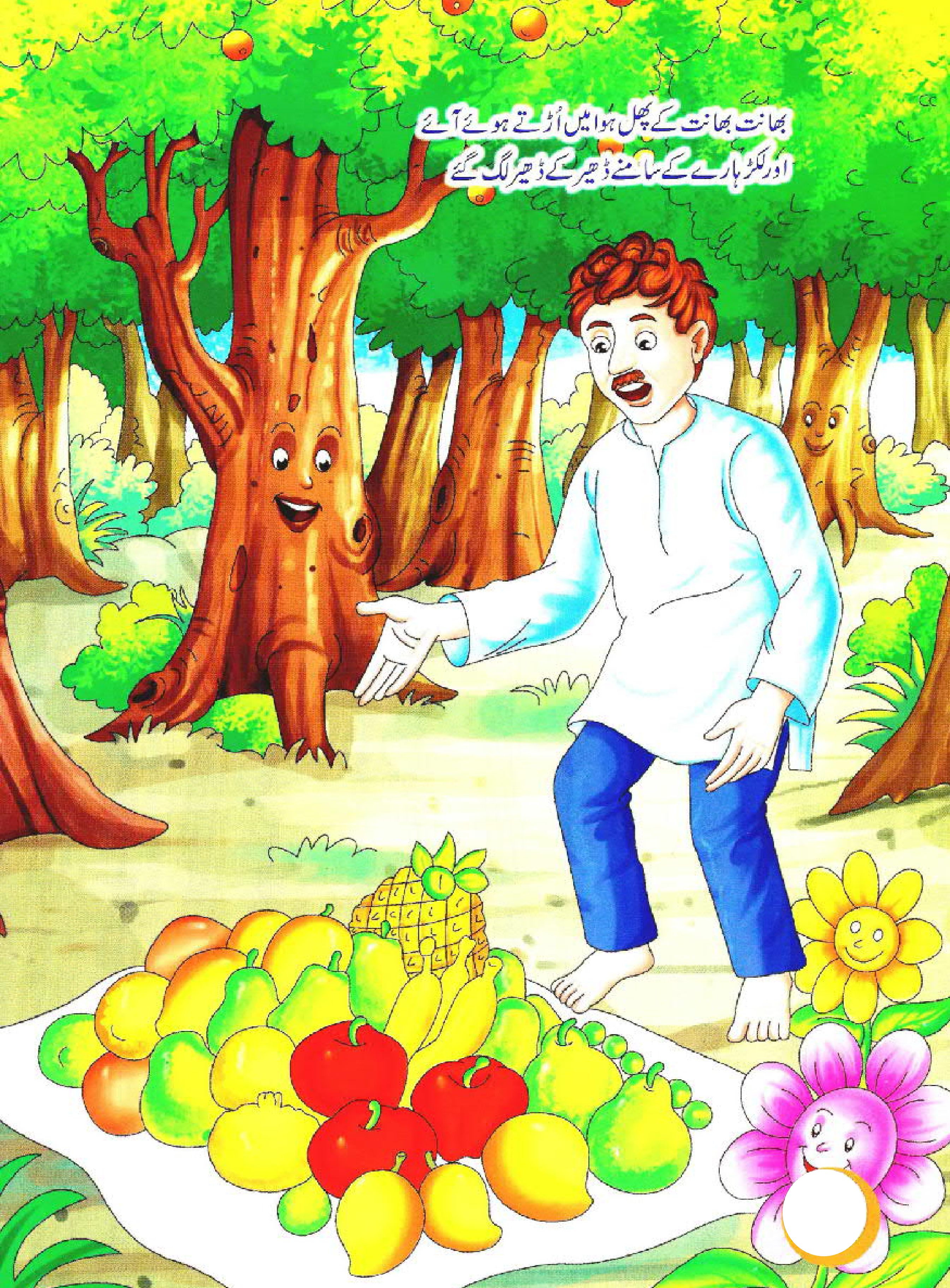
بھانت بھانت کے پھل ہوا میں اُڑتے ہوئے آئے
اور لکڑ ہارے کے سامنے ڈھیر کے ڈھیر لگ گئے

حیدر بخش حیدری

آخری قسط

قصہ حاتم طائی

اب تک آپ نے پڑھا کہ

ملک یمن میں بادشاہ طے کا شریف اور سخی بیٹا حاتم تھا۔ وہ لوگوں کی بھلائی اور دوسروں کی مدد کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتا تھا۔ خراسان کے ایک سوداگر برزخ کی بیٹی حسن بانو کی خوب صورتی کے چہار سو چرچے تھے۔ برزخ نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپ دی تھی۔ حسن بانو بڑی نیک دل تھی۔ اس نے اپنے سوداگر باپ کی دولت دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرنی شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر اس کی دایہ نے اُسے روکا کہ ابھی تمہاری بہت لمبی عمر ہے ایسے دولت نہ ختم کرو۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک شریک حیات کا انتخاب کرو۔ اچھے قابل اور بہادر انسان کی تلاش کے لیے سات سوال کرو۔ جو نوجوان سارے سوالات حل کر لے اُس سے شادی کرو اور چین وسکون کی زندگی گزارو۔ اسی بیچ ایک جعلی بزرگ نے حسن بانو کی ساری دولت لوٹ لی۔ حسن بانو اور اس کی بوڑھی دایہ ایک جنگل میں رہنے لگے۔ ایک رات حسن بانو کو خواب میں نظر آیا کہ جس درخت کے نیچے وہ سو رہی ہے وہاں سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ حسن بانو نے اٹھ کر دایہ کو اپنا خواب بتایا اور دونوں نے اس خزانے کو حاصل کیا اور جنگل میں عالی شان محل بنا کر رہنے لگیں۔ کچھ دنوں بعد حسن بانو نے ایک لڑکے کا بھیس بدلا اور خراسان کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی عقل مندی سے اُس جعلی پیر کی حقیقت سب کے سامنے لا دی۔ بادشاہ نے حسن بانو کی ساری دولت واپس کر دی۔ شہر خوارزم کے شہزادے منیر شامی کو حسن بانو کے حسن کا علم ہوا۔ وہ حسن بانو کی محبت میں گرفتار ہو کر حسن بانو سے ملنے آ پہنچا اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حسن بانو نے شرط رکھی کہ میرے ساتوں سوالوں کا جواب لا دو پھر میں تم سے شادی کروں گی۔ منیر شامی نے پہلا سوال دریافت کیا اور جواب ڈھونڈھنے نکل پڑا لیکن وہ ناکام رہا۔ اس کی ملاقات حاتم سے ہوتی ہے۔ حاتم اسے دلاسا دیتا ہے اور حسن بانو کے پاس منیر شامی کو رکھ کر وہ پہلے سوال کا جواب لانے نکل پڑتا ہے۔ حاتم ایک جنگل میں پہنچا جہاں اُسے ایک ہرنی ملتی ہے۔ حاتم نے ایک بھیڑیے سے ہرنی کی جان بچائی اور آگے نکل گیا۔ کچھ مہینوں کے بعد حاتم نے دشت ہویدا کی راہ لی جہاں اسے پہلے سوال کا جواب ملنا تھا۔ بڑی مشکل سے حاتم دشت ہویدا پہنچا اور

اس شخص سے ملاقات کی جو جنگل میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ حاتم نے اس کی مشکل آسان کردی اور پہلے سوال کا جواب تلاش کرلیا۔ حاتم واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس سے دوسرا سوال پوچھا اور اس کا جواب لانے نکل پڑا۔

راستے میں اُسے ایک نوجوان ملا۔ حاتم نے اپنی بہادری سے اس کی مشکل حل کی اور اس کی شادی کرائی۔ اس کے بعد حاتم آگے بڑھا۔ راستے میں اس نے ایک بستی والوں کو ایک بلا سے نجات دلائی۔ ایک شہزادی کو جن سے آزاد کرایا اور اس شہزادی سے شادی کرلی۔ شادی کے بعد حاتم یوسف سوداگر کے کام کے لیے چین کی جانب چل پڑا اور یوسف سوداگر کی دولت زمین سے نکال کر خیرات کی۔ واپس وہ یوسف سے ملنے آیا جہاں اب اس کی سزا ختم ہوچکی تھی۔ اس کے بعد حاتم نے نیکی کر اور دریا میں ڈال کا بھید معلوم کیا اور واپس جا کر حسن بانو سے ملا اور تیسرے سوال ''کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔'' کا جواب لانے نکل پڑا۔

حاتم کو کافی دیر چلنے کے بعد ایک بڑا پہاڑ دکھائی دیا جس پر ایک نوجوان پریشان حال کھڑا تھا۔ حاتم نے اس کا حال دریافت کیا اور اس کی پریشانی دور کی۔ بہت ساری مشکلات اور پریشانیوں کے بعد حاتم اپنی منزل پر پہنچتا ہے جہاں ایک نابینا بوڑھا آدمی موجود تھا جو چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔ حاتم نے اس کی داستان سنی اور نوریز گھاس کا عرق لاکر اُس کی آنکھوں میں ڈالا جس سے اُس کی آنکھوں کی روشنی واپس آگئی۔ حاتم نے اسے خدا حافظ کہا اور واپس حسن بانو کے پاس پہنچا اور چوتھا سوال بتانے کی درخواست کی۔

حسن بانو نے حاتم سے کہا کہ چوتھے سوال ''سچے کو ہمیشہ رحاحت ہے'' کا جواب لے کر آ۔ حاتم شاہ آباد سے نکلا اور چلتے چلتے پریوں اور جادوگروں کے پاس پہنچا اور احمر جادوگر کی بیٹی سے شادی کرلی۔ شادی کے لیے حاتم کو کملاق اور احمر جادوگر سے جنگ کرنی پڑی۔ حاتم نے حضرت خضر کے سکھائے اسم اعظم کی مدد سے سب کو زیر کرلیا۔ اُس کے بعد چوتھے سوال کا بھید معلوم کیا اور واپس حسن بانو کی حویلی پہنچا اور پانچواں سوال پوچھا۔ حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں کوہِ ندا کی خبر لانی ہے۔ حاتم نکل پڑا۔ حاتم کئی بستیوں، علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک جنگل میں پہنچا اور ایک موذی بلا سے جنگل کے جانوروں اور قریب میں رہنے والے لوگوں کو نجات دلائی۔ اس کے بعد حاتم نے کوہ ندا کا حال معلوم کیا اور حسن بانو کو جا کر بتایا اور چھٹے سوال کی فرمائش کی۔

حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں کوہِ ندا کی خبر لانی ہے۔ حاتم نکل پڑا۔ حاتم کئی بستیوں، علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک جنگل میں پہنچا اور ایک موذی بلا سے جنگل کے جانوروں اور قریب میں رہنے والے لوگوں کو نجات دلائی۔ اس کے بعد حاتم نے کوہ ندا کا حال معلوم کیا اور حسن بانو کو جا کر بتایا اور چھٹے سوال کی فرمائش کی۔

حسن بانو نے کہا کہ اب تمھیں مرغابی کے انڈے کے برابر موتی لانا ہے۔ میرے پاس ایک موتی ہے اس کا جوڑا تلاش کر کے لاؤ۔ حاتم حسن بانو سے اجازت لے کر منیر شامی سے ملنے آیا اور پھر موتی کی تلاش میں نکل پڑا۔ ایک ست رنگی چڑیا نے حاتم کی مدد کی اور اسے ماہ یار سلیمانی تک پہنچنے کا راستہ بتایا جس کے پاس وہ موتی تھا۔ حاتم نے ایک لومڑی کے بچے کو قید سے چھڑایا پھر برزخ کے جزیرے کا رخ کیا۔ راستے میں حاتم نے شمس شاہ نام کے ایک پری زاد کی مدد کی۔ حاتم شہزادہ مہر آور سے ملا اور اس کی شادی ماہ یار سلیمان کی بیٹی سے کرائی اور ماہ یار سلیمانی سے موتی کی حقیقت بیان کی اور وہ موتی لے کر واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس کو موتی سونپ کر اس سے ساتویں اور آخری سوال کی بابت دریافت کیا۔

اِسے پڑھ کر حاتم نے سوچا کہ حمام کا سارا حال تو یہیں لکھا ہے۔ اب اندر جانا کیا ضروری ہے۔ پھر سوچا حسن بانو نے اندر کا حال پوچھا تو کیا بتاؤں گا۔ آخر سب کو رخصت کیا اور آپ اندر داخل ہوگئے۔ مشکل سے دس قدم چلا ہوگا کہ نہ دروازہ تھا نہ دیوار۔ ایک لق و دق جنگل تھا۔ اس کے علاوہ اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ کچھ دکھائی نہ دیا۔ چوتھے دن یہ طے کیا کہ بس ایک طرف کو چلے جاؤ۔ یہ چلتا رہا۔ ایک دن ایک آدمی کی شکل نظر آئی۔ جب نزدیک پہنچا تو اس نے سلام کیا اور ایک آئینہ بغل سے نکال کر حاتم کے ہاتھ میں دیا۔ حاتم نے کہا ”شاید تو یہاں کا حجام ہے۔ یہ بتا حمام بادگرد یہاں سے کدھر کو ہے؟“

وہ بولا ”میں حمامی ہوں۔ جو یہاں آتا ہے اُسے لے جا کر حمام میں نہلاتا ہوں۔ پھر انعام کا امیدوار ہوتا ہوں۔“

حاتم نے کہا ”بہت خوب! تو پھر چلو۔“

حاتم آگے آگے، نائی پیچھے پیچھے خوشی خوشی چلے جاتے تھے۔ جیسے ہی دونوں حمام کے اندر داخل ہوئے، دروازہ آپ سے آپ بند ہوگیا۔ آخر حجام اسے حوض پر لے گیا اور بولا ”آپ اِس میں اتریں تو میں پانی ڈالوں، میل چھڑاؤں۔“

حاتم حوض میں اُتر پڑا۔ حمامی نے گرم پانی کا برتن حاتم کے ہاتھ میں دیا کہ سر پر ڈال لو۔ اس نے ڈال لیا۔ اُس نے پھر بھر کر دیا۔ حاتم نے پھر ڈال لیا۔ تیسری مرتبہ جو پانی سر پر ڈالا ایک زور کا تڑاقہ ہوا۔ حمام میں اندھیرا ہوگیا۔ ذرا دیر بعد اندھیرا دور ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ نہ حوض ہے، نہ حجام اور نہ حمام۔ پانی سے بھرا ایک گنبد ہے جس میں یہ قید ہے۔

ایک پل نہ گزرا تھا کہ پانی پنڈلیوں تک آ گیا۔ حاتم گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اتنے میں پانی گھٹنوں سے اوپر پہنچا۔ اس نے گھبرا کر دیواروں سے سر ٹکرایا مگر راستہ نہ ملا۔ اب پانی آدمی ڈباؤ ہو رہا تھا۔ یہ تیراک تھا، تیرنے لگا اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ شاید اسی لیے اس حمام سے لوگ نہ نکل سکے اور ڈوب گئے۔

اتنے میں پانی اور اونچا ہوا۔ یہاں تک کہ گنبد سے جا لگا۔ وہیں ایک زنجیر لٹکی دکھائی دی۔ حاتم نے دونوں ہاتھوں سے زنجیر پکڑ لی کہ ذرا تو دم لوں۔ پھر ویسی ہی آواز آئی۔ اب جو دیکھا تو جنگل میں کھڑا ہے۔ خوش ہوا کہ طوفان سے بچا اور طلسمات سے رہائی ہوئی۔

آگے بڑھا تو ایک عالی شان عمارت جھِل مِل جھِل مِل کرتی نظر آئی۔ نزدیک پہنچا تو پائیں باغ دکھائی دیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ اندر چلا گیا۔ پھر کر دیکھا تو دروازہ غائب۔ بڑا گھبرایا۔ کیا کرتا ناچار آگے چلا گیا۔ ہزاروں درخت پھلوں سے لدے نظر آئے۔ یہ بھوکا تو تھا ہی توڑ توڑ کر کھانے لگا مگر جتنا کھاتا پیٹ نہ بھرتا۔

حاتم گھومتا پھرتا بارہ دری کے پاس جا پہنچا۔ وہاں عجب منظر دیکھا۔ بارہ دری کے قریب بہت سے پتھر کے آدمی ننگے کھڑے تھے۔ کہیں سے ایک طوطی نے آواز دی ”اے جوان! اِدھر کیوں آیا ہے۔ شاید تیری موت تجھے کھینچ لائی ہے۔“ حاتم نے سر اٹھایا تو طوطی کا پنجرہ نظر آیا۔ اُس پر لکھا تھا:

”اے اللہ کے بندے! اب تو بچ کر یہاں سے نہ جا سکے گا۔ یہ طلسمات کیومرث بادشاہ کا ہے۔ ایک دن وہ شکار کھیلتا اِدھر آ نکلا تھا۔ یہاں ایک ہیرا پڑا دیکھا۔ اٹھا لیا۔ تول کر دیکھا تو تین سو مثقال کا پایا۔ اُس نے سوچا اِسے ایسی جگہ رکھوں کہ کسی کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ یہ بات جی میں ٹھہرا کر حمام بادگرد کا یہ طلسمات بنایا۔ اس طوطی کو وہ ہیرا نگلا دیا اور پنجرے

میں بند کر کے یہاں لٹکا دیا۔ سامنے جو ہیروں جڑی کرسی ہے اُس پر تیر کمان رکھ دیا کہ جو کوئی اس طلسمات میں آ پھنسے اور باہر نکلنے کا ارادہ کرے تو یہ تیر کمان اٹھالے۔ اس طوطی کے سر میں تیر مارے۔ اگر لگ گیا تو اُسی دم اس طلسمات سے نجات ملے اور ہیرا بھی ہاتھ آئے ،نہیں تو پتھر کا ہو جائے گا۔''

یہ پڑھ کر حاتم نے بتوں کی طرف دیکھا۔ جہاں کے تہاں کھڑے ہیں۔ ہل بھی نہیں سکتے۔ حاتم کے دل میں آیا کہیں یہی انجام نہ ہو۔ آخر کرسی کے پاس گیا۔ تیر کمان اٹھایا اور بسم اللہ کہہ کر چھوڑ دیا۔ طوطی پھڑک کے رہ گئی۔ نشانہ چوک گیا۔ حاتم گھٹنوں تک پتھر کا ہو گیا۔ طوطی بولی ''اے جوان! جا یہ مکان تیرے قابل نہیں۔''

حاتم اُس جگہ سے اُچھل کر تیر کمان سمیت سو قدم پیچھے جا پڑا۔ پاؤں ایسے بوجھل ہو گئے کہ اٹھ نہ سکتے تھے۔ اپنی حالت پر آنسو آ گئے۔ سوچنے لگا کتنی تکلیفیں اٹھا کر یہاں تک پہنچا۔ سب محنت بیکار گئی۔ اب ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مروں گا۔ اس سے اچھا تو یہ ہے کہ ایک تیر اور چلاؤں یا تو اس مصیبت سے چھوٹ جاؤں گا یا اوروں کی طرح پورا پتھر کا ہو جاؤں گا۔

یہ سوچ کر دوسرا تیر پھر مارا۔ وہ بھی نشانے پر نہ لگا۔ حاتم کمر تک پتھر کا ہو گیا۔ طوطی نے پھر وہی بات کہی ''اے جوان! پرے سرک۔ یہ جگہ تیرے لائق نہیں۔''

حاتم آپ سے آپ اُچھلا اور دو سو قدم پیچھے جا پڑا۔ اب وہ اور بتوں کے پاس کھڑا تھا۔ زار زار رونے لگا اور کہنے لگا ''مجھ سا بد نصیب بھی کوئی نہ ہو گا کہ ہر تیر الٹا کام کرتا ہے۔'' پھر جی میں کہا ''اے حاتم! اپنی موت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ آنکھوں پر پٹی باندھ لے۔ ایک تیر جو باقی رہ گیا ہے اُس کو بھی آزما لے۔''

اب کے حاتم نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اللہ اکبر کہہ کے تیر چلا دیا۔ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور طوطی کا کلیجہ چھد گیا۔ وہ پھڑ پھڑا کے پنجرے سے باہر گر پڑی۔ اُس کے گرتے ہی زور کی آندھی آئی، گھٹا اٹھی، بجلی کڑکنے لگی اور اندھیرا ہو گیا۔ پھر ایسے زور کا شور ہوا کہ حاتم بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

تھوڑی دیر بعد حاتم کو ہوش آیا۔ اب آندھی تھم چکی تھی، گھٹا اُتر گئی تھی اور شور بند ہو گیا تھا۔ چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ حاتم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے چاروں طرف دیکھا۔ نہ حمام تھا، نہ باغ، نہ کرسی، نہ پنجرا اور نہ طوطی۔ ہاں ایک بڑا سا ہیرا زمین پر پڑا چمک رہا تھا اور پتھر کے بت حاتم

کے پاس کھڑے تھے۔

حاتم اُٹھا اور دوڑ کے ہیرا اٹھا لیا۔ پھر بے اختیار سجدے میں گر پڑا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اللہ کے حکم سے وہ سب کے سب بت آدمی ہو گئے اور حیرت سے حاتم کو دیکھنے لگے۔ ایک نے آگے بڑھ کر کہا ''اے جوان! تو اس جگہ کیونکر سلامت رہا۔ وہ باغ کدھر گیا اور حمام کیا ہوا۔'' حاتم نے سارا قصہ سنایا۔ وہ سب کے سب اس کے پیروں پر گر پڑے۔ بولے ''آج سے ہم سب تیرے غلام ہیں۔'' حاتم نے ان سب کو دلاسا دیا اور انھیں ساتھ لے کر شہرِ قطان کی طرف چلا۔

تھوڑی دور چلا تھا کہ وہ دروازہ نظر آیا جس سے اندر داخل ہوا تھا۔ اُس سے باہر نکلا تو وہ لشکر بھی موجود تھا۔ دو چار دن وہاں ٹھہر کر آرام کیا۔ پھر سب کے ساتھ شہر قطان کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ دنوں کے سفر کے بعد شہر میں داخل ہوا۔ بادشاہ کو پتہ چلا کہ حاتم کامیاب واپس آرہا ہے تو اُس نے بڑھ کر استقبال کیا۔ بڑی محبت سے پیش آیا اور اُسے ساتھ لا کر اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ حال پوچھا۔

حاتم نے حمام بادگرد کا حال تفصیل سے سنایا اور وہ ہیرا نکال کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ بولا ''یہ ہیرا سرکار کی نذر رہے لیکن چاہتا ہوں کہ یہ ایک بار حسن بانو کو دکھا دوں تاکہ اُسے یقین آجائے۔ پھر یہ ہیرا آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔''

بادشاہ نے کہا ''ہاں یہ ہیرا تم ضرور اپنے ساتھ لے جاؤ۔''

پھر حاتم نے عرض کی ''یہ بیچارے جو میرے ساتھ آئے ہیں، سب پتھر کے ہو گئے تھے۔ میری درخواست ہے کہ انھیں ایک ایک گھوڑا اور سفر کا سامان عنایت ہو جو یہ لوگ آرام سے اپنے اپنے گھر پہنچ سکیں اور آپ کے جان و مال کو دعا دیں۔''

بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ تیز چلنے والے گھوڑے اور سفر کا سامان حاضر کیا جائے۔ پھر سب کو انعام دے کر رخصت کیا۔

حاتم بھی بادشاہ سے رخصت ہو کر شاہ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ کئی مہینے سفر کرنے کے بعد بڑے ٹھاٹ باٹ سے شہر میں داخل ہوا۔ ہرکاروں نے حسن بانو کو حاتم کے آنے کی خبر دی۔ اُس نے بڑی عزت کے ساتھ بلوایا اور جڑاؤ کرسی پر بٹھا کر سفر کا حال پوچھا۔

حاتم نے بڑے جوش وخروش سے اپنے سفر کا حال سنایا۔ وہ سن کر ہی خوش ہو گئی۔ پھر حاتم نے ہیرا نکال کر دکھایا تب تو حسن بانو نے سر نیچا کر لیا۔ مارے شرم کے پسینے پسینے ہو کر چپ رہ گئی۔

حاتم نے کہا ''میں اپنا وعدہ پورا کر چکا، اب تو اپنا وعدہ پورا کر۔'' وہ آہستہ سے بولی ''آج سے میں بھی تیری ہو چکی۔ میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہے کر۔ اپنے پاس رکھ یا کسی اور کے سپرد کر، تجھے اختیار ہے۔'' حاتم بولا ''جو کچھ تو نے کہا، میں نے کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ ساری تکلیف میں نے اپنے لیے نہیں اٹھائی بلکہ منیر شامی شہزادے کے لیے برداشت کی ہے۔ وہ مدتوں سے تجھے پانے کے لیے بے قرار ہے۔ لازم ہے کہ اب تو بھی اسے قبول کر۔''

حسن بانو نے کہا ''اب تم ہی میرے بڑے ہو۔ جو مناسب سمجھو کرو۔ اگر وہ میرا شوہر بننے کے لائق ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں۔'' حاتم نے فوراً منیر شامی سے کہلا بھیجا کہ ''پوشاک بدل کر، سج سجا کر فوراً چلے آؤ۔''

ذرا سی دیر میں وہ بن سنور کر آپہنچا۔ ایک جڑاؤ کرسی اُس کے لیے بھی بچھائی گئی۔ حسن بانو نے پردے کی اوٹ سے منیر شامی کو دیکھا۔ وہ اُسے جی سے پسند آیا۔ شرما کر اٹھی اور نیچی نظر کیے دوسرے مکان میں چلی گئی۔

دوسرے دن ایک عالی شان محل منیر شامی کو دیا گیا۔

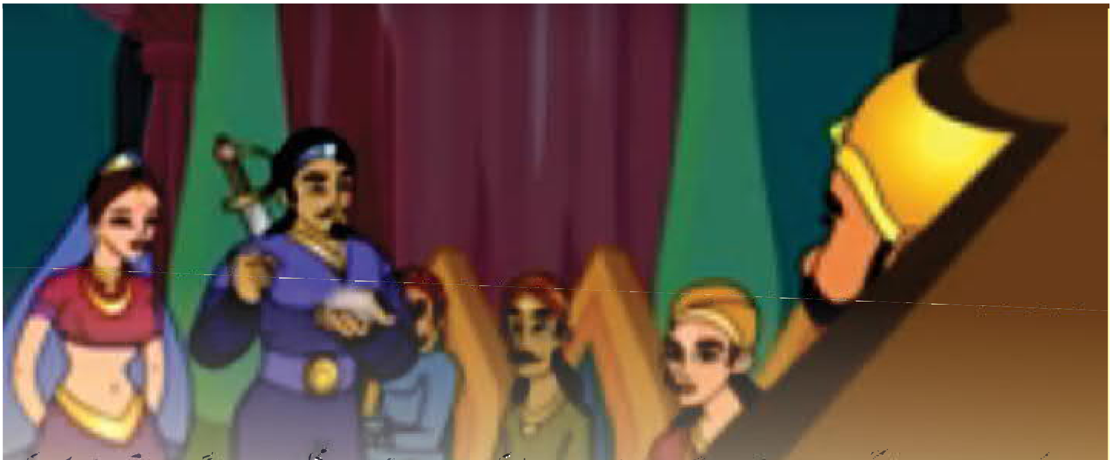

شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سارا شہر سجایا گیا۔ ہر طرف رنگ رنگ کی محفلیں جم گئیں۔ قاضی نے آ کر نکاح پڑھایا۔ مبارک سلامت ہوئی۔ حسن بانو کی سہیلیاں آ کر نوشاہ کو اندر لے گئیں، دلہن کے پاس مسند پر بٹھایا۔ وہ بھی شادی کا جوڑا پہنے، قیمتی زیوروں سے سجی سجائی، عطر میں ڈوبی، پھولوں میں بسی بیٹھی تھی۔

شادی کی باقی رسمیں شروع ہوئیں۔ سب سے پہلے آرسی مصحف کی رسم ہوئی۔ آرسی کے آگے سے گھونگھٹ سرکایا گیا۔ دولھا نے دلہن کی جھلک دیکھی تو غش آ گیا۔ گلاب چھڑکا گیا تو اسے ہوش آیا۔ پھر دلہن کو گود میں لے کر چنڈول میں سوار کیا۔ بڑی دھوم دھام سے شادیانے بجواتا دلہن کو لے کر محل میں داخل ہوا۔ حاتم نے اپنے دوست کو گلے لگا کر مبارکباد دی۔

دو چار دن بعد حاتم منیر شامی سے رخصت ہو کر خوش خوش یمن کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑے دنوں میں شہر کے قریب جا پہنچا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اُس نے استقبال کے لیے وزیر کو بھیجا۔ وزیر شہزادے کو لے کر بڑے کر و فر کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔

باپ کو دیکھ کر حاتم اُس کے قدموں پر گر پڑا۔ اُس نے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور محل میں لے گیا۔ حاتم نے جھک کر ماں کو سلام کیا۔ اُس نے بڑھ کر بلائیں لیں، چھاتی سے لگایا اور کلیجہ ٹھنڈا کیا۔

محل میں مبارکباد کی دھوم مچی، شہر میں آمین آمین ہوئی۔ گھر گھر خوشی کے شادیانے بجے۔ بادشاہ نے ہر ایک چھوٹے بڑے کو رتبے کے مطابق انعام دیے، محتاجوں کی جھولیاں سونے چاندی سے بھر دیں۔ شہزادی زرّیں پوش مارے خوشی کے پھولی نہ سمائی۔ ہر ایک نے خدا کا شکر ادا کیا۔

بادشاہ دربارِ عام میں جا کر بیٹھا۔ وزیروں، امیروں اور درباریوں سے کہنے لگا ''ابھی دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسروں کے لیے اپنا سکھ چھوڑیں اور دکھ سہیں۔ سچ یہ ہے کہ دنیا میں وہی بھلے ہیں اور راج کرنا بھی انھیں کو پھبتا ہے۔'' یہ کہہ کر تخت اور تاج حاتم کو سونپا۔ خود گوشہ پکڑا اور اللہ اللہ کرنے لگا۔

غرض دس برس، سات مہینے اور نو روز میں حاتم کی سیر تمام ہوئی۔ منیر شامی کی مراد پوری ہوئی۔ آخر یہ رہا نہ وہ رہا۔ ایک کہانی کہنے سننے کو باقی رہ گئی۔

■

ماخذ: حاتم طائی کا قصہ، مرتب: نورالحسن نقوی
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ازکیٰ تزئین سید عرفان علی قادری

پڑھائی میں کامیابی کیسے حاصل کریں

جہاں آپ پڑھتے ہیں وہ جگہ شور اور آنے جانے والوں سے محفوظ ہو۔ پڑھنے کی جگہ پر غیر ضروری چیزیں نہ رکھیں۔ جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے جیسے قلم، روشنائی، کتاب، کاپی، ربر، اسکیل وغیرہ پہلے سے موجود رکھیں تاکہ بار بار اٹھ کر نہ جانا پڑے، روز مقررہ وقت پر پڑھیں۔

پڑھنے میں روشنی کی خاص اہمیت ہے۔ بہت دھیمی اور بہت تیز روشنی آنکھوں پر خراب اثر ڈالتی ہے اور جلد تھکان ہوجاتی ہے لہٰذا مناسب روشنی ہونی چاہیے۔

لیٹ کر، جھک کر یا کتاب کو آنکھوں سے دور رکھ کر یا بہت پاس رکھ کر پڑھنا مضر ہے اور جلد تھکان بھی ہوتا ہے لہٰذا کتاب اور آنکھوں کے درمیان پندرہ بیس انچ کا فاصلہ رکھیے۔

پڑھائی صرف اسی وقت اچھی ہوسکتی ہے جبکہ اس سے خود دلچسپی ہو۔ اگر دلچسپی نہ ہوگی تو یا تو آپ پڑھیں گے ہی نہیں۔ اگر کسی مجبوری یا دباؤ میں پڑھیں گے تو اس سے فائدہ بہت کم حاصل ہوگا، دلچسپی بڑھائی بھی جاسکتی ہے۔ کام مجبوری سے نہیں بلکہ یہ سوچ کر کیجیے کہ اس سے آپ کا کیا فائدہ ہوگا جیسے امتحان میں کامیابی، استادوں میں عزت، عمدہ پیشہ اور کام کو چیلنج سمجھ کر کیجیے۔ پڑھتے وقت کمزور اور مشکل مضامین کو زیادہ وقت دیجیے، گھر کے چھوٹے موٹے کام آپ کے ذمہ ہیں ان کو پورا کرکے پڑھنے بیٹھیے اس طرح دھیان میں خلل نہ پڑے گا۔

روز چند الفاظ نوٹ کیجیے، اُن کو سمجھیے اور استعمال کیجیے، وقتاً فوقتاً دیکھیے کہ یہ الفاظ آپ کو یاد ہیں یا نہیں۔

اپنی لکھائی خوب خوش خط بنائیں، اس کو دیکھ کر ہی آپ کی قابلیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اچھی لکھائی پر بھی اچھے نمبر ملتے ہیں۔

اپنے نوٹس اور کلاس ورکس لکھتے رہیے کیونکہ امتحان کے دنوں میں اتنا وقت نہیں ہوتا کہ پوری کتاب دیکھی جائے لہٰذا نوٹس ہی کام آتے ہیں۔

امتحان کے دنوں میں زیادہ نہ پڑھیے ورنہ جو آتا ہے وہ بھی بھول جائیں گے امتحان سے پہلے ہی اہم سوالات تیار کرلینے چاہئیں تاکہ امتحان میں گھبراہٹ اور پریشانی نہ ہو۔

صحت کا طلبا کو خاص دھیان رکھنا چاہیے کیونکہ ایک تندرست دماغ تندرست جسم میں ہی پایا جاتا ہے۔

■

Azka Tazyeen Syed Irfan Ali Qadri
Fatima Girls Urdu School
Begampura, Aurangabad (Maharashtra)

تنویر اختر رومانی

کیا فرق ہے یو۔کے، برطانیہ اور انگلینڈ میں

اکثر لوگ یونائیٹڈ کنگڈم (U.K.)، گریٹ بریٹین اور انگلینڈ کا استعمال ایک ہی معنی میں کرتے ہیں۔ لیکن یونائیٹڈ کنگڈم کو گریٹ بریٹین اور گریٹ بریٹین کو انگلینڈ کہنا غلط ہے۔ تینوں ہندوستان، انڈیا اور بھارت کی طرح ایک نہیں ہے۔ دراصل تینوں کا الگ الگ مطلب ہے۔ یونائیٹڈ کنگڈم ایک ملک ہے، گریٹ بریٹین (برطانیہ) ایک جزیرہ (Island) ہے اور انگلینڈ، یونائیٹڈ کنگڈم کے چار انتظامی (Administrative) علاقوں میں سے ایک ہے۔ حال ہی میں یونائیٹڈ کنگڈم کے رائے دہندگان (ووٹرس) نے بریگزٹ یعنی یوروپی یونین سے الگ ہونے کے فیصلے پر اپنی رضامندی ظاہر کی ہے۔ جاننا ضروری ہے کہ یونائیٹڈ کنگڈم کا دائرہ کیا ہے اور یوروپی یونین کو اصل میں کس نے الوداع کہا۔

یونائیٹڈ کنگڈم (The United Kingdom):

یوروپ کے شمال مغربی ساحل پر یونائیٹڈ کنگڈم ایک آزاد ملک ہے۔ اس کے اندر گریٹ بریٹین اور شمالی آئر لینڈ کے سارے جزیرے ہیں۔ دراصل 1809 میں کنگڈم آف گریٹ بریٹین (Kingdom of Great Britain) اور کنگڈم آف آئرلینڈ (Kingdom of Ireland) کے متحد ہونے سے یونائیٹڈ کنگڈم بنا تھا۔ اس کے بعد اس ملک کا نام 'یونائیٹڈ کنگڈم آف گریٹ بریٹین اینڈ آئر لینڈ' رکھا گیا۔ لیکن 1920 میں جنوبی آئرلینڈ کے آزاد ہونے کے بعد اس کا باضابطہ نام 'یونائیٹڈ کنگڈم آف گریٹ بریٹین اینڈ نادرن آئر لینڈ' ہوگیا۔ اس کی راجدھانی لندن ہے اور موجودہ وقت میں یہاں کی سربراہ مہارانی الیزا بیتھ دوم ہیں۔ یو کے، یونائیٹڈ نیشنس (United Nations) کے بانی ارکان (Founder Members) میں سے ایک ہے۔

برطانیہ/گریٹ بریٹین (Great Britain):

گریٹ بریٹین ایک جزیرے کا نام ہے۔ یونائیٹڈ کنگڈم کا سب سے بڑا حصہ یہی جزیرہ ہے۔ اس بڑے جزیرے میں

کچھ حد تک خودمختار انگلینڈ، ویلس اور اسکاٹ لینڈ تین علاقے شامل ہیں۔ حالانکہ اسکاٹ لینڈ اور ویلس آزاد ملک نہیں ہیں، لیکن داخلی انتظامی امور میں انھیں خودمختاری ملی ہوئی ہے۔ یہ دنیا کا نواں سب سے بڑا جزیرہ ہے۔

انگلینڈ(England):

برطانیہ کے جنوبی حصے میں انگلینڈ ہے۔ کئی بار یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ پورے ملک کو انگلینڈ کہہ دیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ انگلینڈ کو انتظامی خودمختاری بھلے ہی ملی ہوئی ہے لیکن یہ یونائیٹڈ کنگڈم کا ایک حصہ بھر ہے۔

بریگزٹ کا کیا مطلب ہے؟:

'بریگزٹ' لفظ کا مطلب ہے برٹین، یوروپی یونین سے الگ ہوگا۔ اس میں دو لفظوں 'برٹین' اور 'ایگزٹ' کو ملا کر ایک لفظ بنایا گیا ہے۔ حال ہی میں حاصل کئے گئے رائے عامہ (ریفرنڈم) میں یو کے کے تقریباً باون فیصد عوام نے بریگزٹ کے حق میں ووٹ دیا۔ وہیں تقریباً اڑتالیس فیصد عوام نے اس کے خلاف ووٹ دیا۔ حالانکہ اس کے یوروپی یونین سے الگ ہونے میں لگ بھگ دو سال کا وقت لگے گا۔ دراصل یوروپی یونین اٹھائیس (28) یوروپی ممالک کی معاشی اور سیاسی حصہ داری کا ایک گروپ ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد یوروپی ممالک میں معاشی تعاون کو بڑھانے کی غرض سے یوروپی یونین کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس کے پیچھے یہ نظریہ تھا کہ جو ملک ایک ساتھ تجارت کریں گے، وہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنے سے بچیں گے۔

■

Tanweer Akhtar Roomani
At & P.O: Azad Nagar
Jamshedpur - 832110 (Jharkhand)

■ **اریبہ نایاب سید منیرالدین**

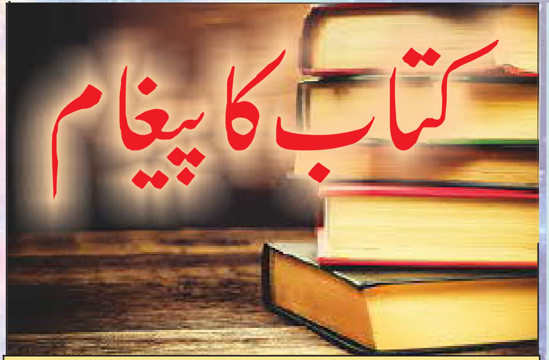

آج میں آپ لوگوں سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ میں کتاب ہوں اور آپ لوگوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرتی ہوں۔ آج یہ خصوصی تخاطب اس لیے ہے کہ آج مجھے میری حالت زار نے آپ لوگوں سے مخاطب ہونے پر مجبور کر دیا؟ آپ سوچیں گے مجھے اور تکلیف، ہاں اور بغور سنیے مجھے یہ تکلیف آپ لوگوں سے ہی پہنچتی ہے۔ اس وقت جب آپ لوگ میری قدر و قیمت کو جانے بغیر پھاڑ دیتے ہیں۔ ذرا سوچیے میں نئی کتاب تھی تو لوگ مجھے بڑے پیار سے آہستہ آہستہ ورق گردانی کرتے جب آپ کے ننھے منے ہاتھوں میں آئی تو مجھے بڑے پیارے لمس کا احساس ہوا۔ لیکن جب میں پرانی ہونے لگی تو آپ لوگوں نے مجھے بے دردی سے استعمال کرنا شروع کر دیا حالانکہ میرے سینے میں بہت سی معلومات کا ذخیرہ اور دین و دنیا کی بہت ساری معلومات موجود ہیں۔ اس لیے بچوں میں آپ تمام لوگوں سے التماس کرتی ہوں کہ مجھے سنبھال کر پڑھیے۔ صحیح طریقے سے رکھیں۔ لاپرواہی نہ برتیں کیونکہ مجھ میں علم کی دولت ہے جسے کوئی چرا نہیں سکتا۔

■

Sayyeda Areeba Nayab Sayyed Muniruddin
Fatima Girls Urdu School
Begampura, Aurangabad (Maharashtra)

ایم رفیق

اندھوں کا مسیحا: لوئیس بریل

لوئیس بریل کا جنم 4 جنوری 1809 کو فرانس کے پرلے نامی قصبہ میں ہوا۔ اس کے والد سائمن کا زمین کا کاروبار تھا۔ بچپن ہی سے لوئیس اپنے والد کے کام میں مدد کرتا تھا۔ 1814 میں عمر کے پانچویں سال میں اپنے والد کے کام میں مدد کرتے ہوئے تیز چاقو کی نوک لوئیس کی آنکھ میں لگ گئی۔ آگے چل کر دھیرے دھیرے اس کی دوسری آنکھ بھی بیکار ہوگئی اور وہ دونوں آنکھوں کا اندھا ہوگیا۔ اس طرح دنیا کے خوبصورت مناظر اور تعلیم سے اس کا ناتہ ٹوٹ گیا۔ اندھا ہونے کی وجہ سے اسے اسکول 1819 میں داخلہ نہیں ملا۔ 15 فروری 1820 میں لوئیس نے رائل انسٹی ٹیوٹ فور دی بلائنڈ میں داخلہ لیا۔ 1821 میں فوج سے سبکدوش کپتان چارلس باربر سے تعارف ہوا۔ انھوں نے فوجوں کو خفیہ پیغامات دینے کے لیے بارہ نقطوں کی ایک لیپی تیار کی تھی۔ اس لیپی کا بریل نے گہرائی سے مطالعہ کرکے اس میں کچھ سدھار کیا اور اس طرح نور سے محروم لوگوں کے لیے علم حاصل کرنے کے لیے ایک نئی زبان وجود میں لائی۔ بریل لیپی کی وجہ سے آج نابینا لوگ نظر والوں کی طرح تعلیم حاصل کرسکتے ہیں اور زبان کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار بھی کرسکتے ہیں۔

پرانے زمانے میں فرانس میں فوجیوں کو رات کے اندھیرے میں خفیہ پیغام پہنچانے کے لیے بارہ نقطوں کی لیپی کا استعمال کیا جاتا تھا۔ انہی پر منحصر نابینا لوگوں کے لیے فائدہ مند ثابت ہونے والی چھ نقطوں کی ایک لیپی تیار کرنے کا انمول کام لوئیس بریل نے کیا۔ بریل کی عمر کے دسویں سال میں گھڑسوار افسر چارلس باربر کی تیار کی ہوئی بارہ نقطوں والی لیپی سے شناسائی ہوئی۔ انہی بارہ نقطوں والی چھوکر پڑھی جانے والی لیپی کی مدد سے لوئیس بریل نے چھ لفظوں والی خود کی تیار کی ہوئی لیپی پر بے شمار تجربات کیے۔ اسی دوران پیرس میں نابیناؤں کو تعلیم دی جانے والے ادارے میں معلم کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے اپنی لیپی کو متعارف کرایا اور یہ لیپی کافی پسند کی گئی کیونکہ دکھائی دینے والی لیپی کی طرح یہ لیپی بھی صاف، واضح اور قابل استعمال تھی۔

آج گھڑی سے لے کر کمپیوٹر میں اس لیپی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے پوری دنیا کے نابیناؤں میں خودشناسی و خود اعتمادی اور خود کی قابلیت ثابت کرکے ترقی کی اونچائیوں تک پہنچانے کے مواقع نابیناؤں کو ملے۔ نابیناؤں کے اس مسیحا کا انتقال 22 فروری 1844 میں ہوا۔ ■

M. Rafique
Nizam House, Dangpura, Yawal - 425301
Distt.: Jalgaon, (Maharashtra)

مطالعے کے اصول

* صبح و شام دونوں وقت مطالعہ کریں اور دونوں وقت مطالعہ کرنے کا آغاز جلد کریں۔
* کلاس کے فوراً بعد اعادہ کرلیں تا کہ جو کچھ پڑھایا گیا ہے وہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔
* مطالعہ کے اوقات کی مناسب تقسیم کریں اور طویل وقت تک مسلسل بیٹھنے اور مطالعہ کرنے سے پرہیز کریں۔
* اگر توجہ مسلسل بھٹک رہی ہو تو فوراً اسی وقت مطالعہ بند کر دیں۔
* سال کے اختتام پر مطالعہ نہ کریں بلکہ آغاز سے ہی شروع کر دیجیے۔
* سونے سے قبل روزانہ پڑھے گئے مواد کا اعادہ کر لیجیے تا کہ بہتر طریقے سے حافظے میں محفوظ ہو جائے۔
* شوروغل سے دور کوئی بھی روم مطالعہ کے مناسب ہوتا ہے۔
* بار بار مطالعہ روم تبدیل کرنے سے پرہیز کریں اور کوشش کریں کہ مطالعہ کے لیے ایک مخصوص جگہ کا استعمال ہو۔
* دن کی روشنی کے برابر کافی اور یکساں روشنی کا اہتمام کریں۔
* ریڈیو و دیگر شور پیدا کرنے والے عوامل سے بچیں۔
* مطالعہ سے قبل بھاری کھانوں، غذاؤں سے پرہیز کریں۔
* مطالعے سے قبل تھکانے والے کاموں سے بچیں۔
* امتحانات کے دوران رات بھر جاگنے کی کوشش قطعاً نہ کریں۔
* امتحانات کے وقت درسی کتابوں کے بجائے نوٹس اور ان کے نکات پڑھیے اور تفصیلات کو ذہن میں لائیے۔
* خود سے سوالات کیجیے اور اسی انداز میں جوابات دیجیے۔
* یاد رکھیے! امتحان کی رات میں مناسب نیند اور آرام کی بڑی اہمیت ہے۔

■

Shaikh Aasif Mohammad
Class: 8th, Dr. Sayyed Mohammad MPU School, Udgir, Latur - 413517 (Maharashtra)

- دوستی ایسا دریا ہے جس میں خلوص کا پانی بہتا ہے۔
- مسکراہٹ ایک ایسا خزانہ ہے جو ہر امیر غریب کے پاس ہوتا ہے۔
- کسی سے اپنی ناراضی کو اتنا طویل مت کرو کہ وہ تمھارے بغیر ہی جینا سیکھ لے۔
- نصیحت ایسی چیز ہے جس کی عقلمندوں کو ضرورت نہیں ہوتی اور بیوقوف اسے قبول نہیں کرتے۔
- کسی کی خوبیوں کو دیکھ کر حسد نہ کرو بلکہ کوشش کرو کہ اس کی خوبیاں تمھارے کام آسکیں۔
- علم کی طلب سے شرم مت کرو کیونکہ جہالت زیادہ باعثِ شرم ہے۔
- ہمیشہ پانی کی طرح رہو جو پھولوں پر ہی نہیں بلکہ کانٹوں پر بھی برستے ہیں۔

■

Ansari Saud Ahmad Mukhtar Ahmad
Mohammadia Boy's Urdu Junior College of Science, Dhulia (Maharashtra)

آؤ اردو سیکھیں

(اردو سکھانے کے بہت سے طریقے رائج ہیں۔ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں اردو سکھانے کا یہ سبق تجرباتی طور پر شروع کیا گیا ہے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تو غیر اردو داں بچوں کو اردو سکھانے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں آپ کے ذہن میں کوئی آسان اور مفید طریقہ ہو تو ہمیں ضرور آگاہ کریں۔)

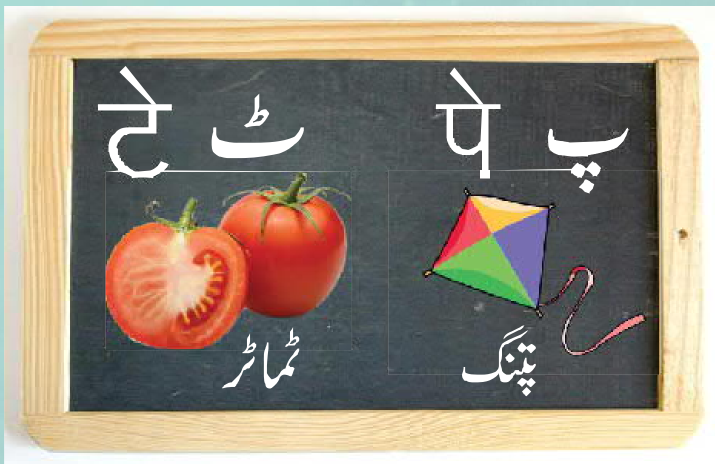

पे : پ

دیکھو، اسے پ (पे) کہتے ہیں۔ اگر اسے ہندی میں سمجھنا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ प کی آواز دیتا ہے اور انگریزی میں P کی۔

टे : ٹ

دیکھو، اسے ٹ (टे) کہتے ہیں۔ اگر اسے ہندی میں سمجھنا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ ट کی آواز دیتا ہے اور انگریزی میں T کی۔

آج کا سبق یہی ہے یعنی

पे : پ
टे : ٹ

اسے تصویر کی مدد سے بھی سمجھا جاسکتا ہے:

Patang पतंग پتنگ سے پ
Tamatar टमाटर ٹماٹر سے ٹ

पे : پ

'پ' देखो इसे पे कहते हैं। अगर इसे हिन्दी में समझना है तो कह सकते हैं कि ये 'प' की आवाज़ देता है।

टे : ٹ

'ٹ' देखो इसे टे कहते हैं। अगर इसे हिन्दी में समझना है तो कह सकते हैं कि ये 'ट' की आवाज़ देता है।

आज का सबक़ यही है यानी

पे : پ
टे : ٹ

इसे तस्वीर की मदद से समझा जा सकता है:

पे پ से पतंग Patang
टे ٹ से टमाटर Tamatar

ہماری زبان

دوستو! ہم سب اِس بات سے واقف ہیں کہ اردو بے حد شیریں زبان ہے اور ساری دنیا میں مقبول ہے۔ اردو جاننے اور بولنے والے کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن درست اردو اور صحیح اردو جاننا بھی ہمارے لیے ضروری ہے۔ اِس کالم کے تحت ہم روزمرہ میں اردو کے استعمال سے متعلق کچھ کارآمد چیزیں پیش کریں گے جسے یقیناً آپ سب پسند کریں گے۔ (ادارہ)

متضاد الفاظ

الفاظ	معنی	متضاد الفاظ	معنی
مشرق	پورب	مغرب	پچھم
جدید	نیا	قدیم	پرانا
قبل	پہلے	بعد	پیچھے
جاہل	بے پڑھا	عالم	پڑھا لکھا
قلت	کمی	کثرت	زیادتی
حرارت	گرمی	برودت	سردی
خیر	نیکی	شر	برائی
حسن	اچھا	قبح	برائی، خرابی
حلال	جائز	حرام	ناجائز
سخی	فیاض	بخیل	کنجوس
مخالف	دشمن	موافق	دوست
علم	جاننا	جہل	جہالت
عرض	چوڑائی	طول	لمبائی
شادی	خوشی	غم	رنج

الفاظ کی واحد جمع

واحد	جمع	واحد	الفاظ
رسول	رسل	صفحہ	صفحات
قاعدہ	قواعد	وزن	اوزان
رفیق	رفقاء	ضلع	اضلاع
قانون	قوانین	وطن	اوطان
طالب	طلباء	قصہ	قصص
فن	فنون	نصیحت	نصائح
طور	اطوار	قصیدہ	قصائد
فکر	افکار	نتیجہ	نتائج
ظاہر	ظواہر	قوم	اقوام
فساد	فسادات	مذہب	مذاہب
ظرف	ظروف	کلمہ	کلمات
غریب	غرباء	مکتوب	مکاتیب
عادت	عادات	کتاب	کتب
عالم	علماء	مسجد	مساجد

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات اگلے شمارے میں تلاش کریں

حیا صدیقی

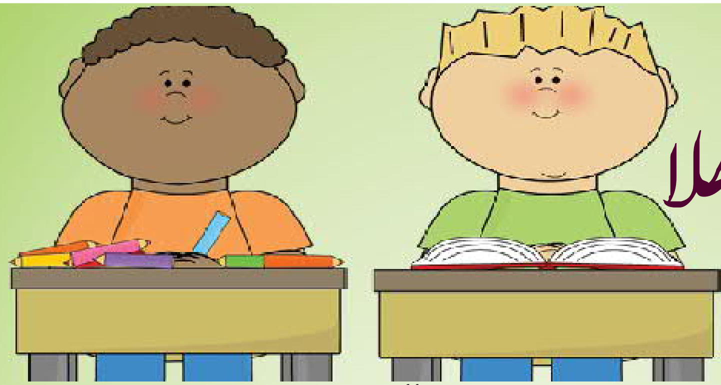

کر بھلا ہو بھلا

کلاس میں بہت دیر سے شور ہو رہا تھا لیکن عمر کو اس سب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کل ہی اس کا ایڈمیشن ہوا تھا اور اسے ایک ہفتے کا کام مکمل کرنا تھا لیکن بجائے وہ کام کرنے کے کونے میں بیٹھے اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا جو بہت اداس نظر آ رہا تھا۔

عمر اس کے قریب گیا اور پوچھا ''تمھارا نام کیا ہے اور تم کیوں اداس ہو۔''

''بچارے کو بھوک لگ رہی ہوگی'' کسی نے فقرہ کسا۔

''ماں باپ مر گئے تو کھانا بنا کر کون دے گا۔'' یہ رشید کی آواز تھی اور اس کے ساتھ ہی پوری کلاس میں قہقہہ گونجنے لگا۔ وہ لڑکا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ عمر نے تاسف بھری نظروں سے پوری کلاس کو دیکھا اور اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگا۔

انٹرول میں اس نے دیکھا کہ سب لڑکے لنچ کر رہے ہیں اور وہ چپ چاپ سر جھکائے بیٹھا ہے۔ وہ اپنا لنچ باکس اور پانی کی بوتل لے کر اس کے پاس آیا۔

''تمھارا نام کیا ہے؟'' عمر کی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔

''ذیشان... ذیشان ملک! اور تمھارا؟'' اس نے پوچھا۔

''میرا نام عمر ہے۔'' پھر عمر نے اسے کھانے کی دعوت دی اور وہ دونوں لنچ کرنے لگے۔

لنچ کرنے کے بعد عمر نے پوچھا: ''تم اتنے اداس کیوں رہتے ہو؟''

اتنا پوچھا تھا کہ ذیشان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ ''دیکھو! میں تمھیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' عمر پریشان ہو گیا۔

''ہم دوست ہیں اور دوستوں کو اپنا دکھ بتا کر دل ہلکا کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔'' عمر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''عمر! پوری کلاس میں تم پہلے لڑکے ہو جس نے میرے ساتھ ہمدردی کی۔'' ذیشان نے بات کا آغاز کیا۔

''میرے ابو بہت بڑے تاجر تھے۔ کسی نے انھیں قتل کے الزام میں پھنسا کر پھانسی دلوادی۔ امی اس صدمے کو نہ سہہ سکیں اور دو تین مہینے بعد وہ بھی مجھے چھوڑ گئیں۔ میرے چچا نے میری ساری جائیداد پہ قبضہ کر لیا۔ میں انھیں کے گھر رہتا ہوں۔ چچی مجھ سے سارا کام کرواتی ہیں۔ کھانے کو بھی کئی کئی وقت نہیں دیتیں۔ سال میں میرا صرف ایک کپڑا بنتا ہے جو سستا ہونے کی وجہ سے جلدی پھٹ جاتا ہے اور اسکول کی ڈریس تو دو سال میں بنتی ہے۔'' اور وہ سسک کر رو پڑا۔

کلاس میں بھی سب میرا مذاق اڑاتے ہیں لیکن مجھ سے ہی کاپی لے کر کام کرتے ہیں۔ میں ہر سال فرسٹ آتا ہوں اور مجھے جو پیسے ملتے ہیں وہ بھی چچی لے لیتی ہیں۔ اس نے

روتے ہوئے بتایا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی حالت سنبھلی تو اس نے عمر سے پوچھا ''کیا تم اپنے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے؟''

''کیوں نہیں! لیکن میری کہانی تم سے زیادہ دردناک نہیں...''

میرے بابا بھی ایک بزنس مین تھے۔ وہ کاروبار کے لیے اکثر دوسرے ملک جایا کرتے تھے۔ ایک بار وہ فرانس جانے والے جہاز پر سوار ہوئے اور اسی دن وہ جہاز کریش ہوگیا... اب ابو کی فیکٹری کے مینیجر ہماری مدد کرتے ہیں۔ امی کہتی ہیں میں صرف تمھارے لیے جی رہی ہوں ورنہ میں کب کا مر چکی ہوتی۔'' کہتے کہتے عمر کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

اتنے میں انٹرول کے ختم ہونے کی گھنٹی بجی اور دونوں کلاس میں چلے گئے۔

ذیشان جب بھی اسکول آتا اداسی کے باوجود وہ عمر کو دیکھتے ہی کھل جاتا تھا۔

اس دن ذیشان اداس اداس سا اسکول آیا۔

عمر اس کے قریب گیا لیکن وہ خوش نہیں ہوا۔

''کیا ہوا ذیشان؟ ناراض ہو مجھ سے؟'' عمر کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ عمر نے بھی اس وقت کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور اسمبلی میں چلا گیا۔

وہ واپس آیا تب بھی ذیشان کو اداس پایا۔

پہلا پیریڈ سر فاروق کا تھا اور آج وہ چھٹی پر تھے۔

عمر نے پھر ذیشان سے پوچھا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور بولا ''آج میں دودھ ابالنے جا رہا تھا تبھی چچا نے بلا لیا۔ میں ادھر گیا تو دودھ بلی پی گئی۔ چچی نے مجھے اتنا مارا کہ میرے ہونٹ سے خون بہنے لگا اور چچا نے بھی مجھے پیٹ کر رکھ دیا۔''

''اوہ میرے خدا!'' اپنے دوست کی تکلیف سن کر اسے بھی بہت دکھ ہوا۔

اور جب ذیشان نے اپنے ہاتھوں اور پیروں پر ڈنڈے کے نشانات دکھائے تو ان کی کلاس کو بھی اس پر بڑا رحم آیا۔ کچھ دیر بعد عمر نے کہا ''ذیشان! اب حد ہوگئی ہے تم میرے ساتھ میرے گھر چلو اب تم وہیں رہنا۔''

''لیکن.....'' ذیشان نے کچھ کہنا چاہا تبھی عمر اس کی بات کاٹ کر بولا ''لیکن ویکن کچھ نہیں تمھیں میرے ساتھ چلنا ہی پڑے گا۔''

عمر کے بہت اصرار کرنے پر ذیشان نے حامی بھر لی۔

عمر کی والدہ نے جب ذیشان کے بارے میں سب کچھ سنا تو انھوں نے ایک بے سہارا بچے کو سہارا دینے کا فیصلہ کر لیا اور کہا: ''اگر تم پھر اسی اسکول میں گئے تو ہوسکتا ہے کہ تمھارے چچا چچی تمھیں ڈھونڈنے آجائیں اور پھر گھر لے جائیں۔ اس لیے میں تم دونوں کا ایڈمیشن دوسرے اسکول میں کرا دیتی ہوں اور ذیشان اب سے تم میرے بیٹے ہو اور عمر تمھارا بھائی ہے۔'' انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

اس واقعے کو تقریباً ایک ہفتے گزر چکے تھے۔ ابھی دونوں کھانا کھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ عمر نے بڑھ کر دروازہ کھولا اور خوشی اور حیرت کے جذبے سے مغلوب ہو کر آنے والے سے لپٹ گیا۔

''کون ہے عمر؟'' اندر سے اس کی امی نے پکارا۔

''امی باہر آئیں۔ بابا آئے ہیں۔'' عمر خوشی سے چلایا۔

امی کے ساتھ ذیشان بھی لپک کر باہر آیا۔

"حبیبہ! یہ کون ہے؟" سلام دعا کے بعد عمر کے والد نے ذیشان کے بارے میں پوچھا۔

"میرا دوسرا بیٹا ذیشان!" وہ خوشی سے سرشار تھیں اور پھر کھانا کھانے کے دوران حبیبہ بیگم نے ذیشان کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

"ذیشان بیٹے! اگر حبیبہ تمھاری ماں ہے تو میں بھی تمھارا باپ ہوں۔" سب کچھ سننے کے بعد اسحاق صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اور بابا! آپ یہاں تک کیسے پہنچے؟" عمر نے بے تابی سے پوچھا۔

"بتاتا ہوں بیٹا! بتاتا ہوں... جب جہاز کے انجن میں آگ لگی تو کسی کو موقع ہی نہیں ملا کہ پیراشوٹ سے کود سکے۔ جہاز تباہ ہوا تو میں بھی بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو خود کو ایک اسپتال میں پایا۔ سب کہہ رہے تھے کہ میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ پورا جہاز جل گیا پھر بھی میں بچ گیا اور سب یہ بھی کہہ رہے تھے کہ میں پانچ مہینے بعد کومہ سے باہر آیا ہوں اور پھر دو ہفتے میں میں مکمل صحت یاب ہو کر گھر آ گیا۔"

"اور آپ کے پیچھے آپ کے وفادار منیجر نے سارا کام سنبھالا ہوا ہے۔ آپ دوبارہ اپنی بگڑی ہوئی حالت سنوار سکتے ہیں۔" حبیبہ بیگم نے کہا۔

"واہ! ماشاءاللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے میرے خدا!۔"

اسحاق صاحب نے خوشی سے بھرپور ہو کر کہا۔

اور سب خوشی سے سرشار ہو گئے۔

■

Rabia
C-135/9, Shaheen Bagh, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

■ محمد تنویر

پتھر بول اٹھا

صبح کا وقت تھا۔ میں کسی راستے سے گزر رہا تھا۔ تھوڑی دور گیا تھا کہ میری نظر ایک پتھر پر پڑی۔ پتھر کو دیکھ کر ایسا لگا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ میں اس کے قریب گیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ سنو مسافر! "ایک دور تھا۔ جب میں لوگوں کے گھروں کی زینت ہوا کرتا تھا۔ میری خوب آؤ بھگت ہوتی تھی۔ دیواروں اور محلوں میں چسپاں ہوا کرتا تھا لیکن مجھے تو غم اس بات کا ہے کہ آج میں اس حال میں ہوں اور لوگوں کی ٹھوکریں کھاتا رہتا ہوں۔"

جب میں نے اس کی یہ داستان سنی تو میں نے کہا، "اے پتھر بے جان زندگی کا نام یکسانیت نہیں ہے۔ اس میں تبدیلیوں کا ہونا لازمی ہے۔ اس لیے تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دکھ سکھ زندگی کے دو پہلو ہیں جس نے دکھ جھیلا اسے سکھ بھی نصیب ہوا۔ کل تک تم سکھ کی زندگی گزار رہے تھے۔ آج جو احساس تمھارے اندر ہے وہی احساس کائنات کے ذرّے ذرّے کو بھی ہوتا ہے۔"

میری بات سن کر پتھر رو پڑا اور کہنے لگا "میں تھوڑی دیر کے لیے بھول بیٹھا تھا کہ میں ہی ایک ایسا پتھر ہوں کہ سکھ کے بعد دکھ اور پریشانیوں سے گھرا ہوا ہوں۔ آپ کی بات سن کر دل کو تسلی ہوئی اور جانا کہ زندگی کیا ہے؟ اب میں اس حال میں جی سکوں گا۔"

■

Mohd Tanveer
Hameed Nagar
Burhanpur, (West Bengal)

ہنسی کے غبارے

ایک دوست (دوسرے دوست سے): ''ڈاکٹر صاحب نے جیسے ہی تمھارے سینے پر ہاتھ رکھا ویسے ہی تمھارا دل زور زور سے کیوں دھڑکنے لگا؟''

مریض: کیا بتاؤں دوست! اصل میں ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ میری جیب پر تھا، جس میں پانچ سو روپے کا نوٹ پڑا ہوا تھا۔

عاقب خان انیس خان، علی صاحب محلہ، نندوبار

استاد: ''بتاؤ سائنس داں کسے کہتے ہیں؟''

شاگرد: ''جس چیز میں سائنس رکھی جائے۔''

ایک مالک صاحب دفتر جانے لگے تو دفتر جانے سے قبل انھوں نے نوکر کو سمجھایا ''اگر پڑوسی آکر کہے کہ صاحب کدھر ہیں تو کہنا دفتر گئے ہیں۔ اگر کہے سائیکل کدھر ہے تو کہنا اُس کی ہوا نکلی ہوئی ہے اور وہ چھت پر پنکچر پڑی ہے۔ اگر کہے گھوڑا کدھر ہے تو کہنا وہ گھاس چرنے گیا ہے۔''

الفاظ نوکر کے ذہن میں گڈمڈ ہو گئے اور جب پڑوسی نے پوچھا: ''سائیکل کدھر ہے تو نوکر بولا گھاس چرنے گئی ہے۔ پڑوسی بولا گھوڑا کدھر ہے، نوکر نے کہا وہ دفتر گیا ہے۔ وہ بولا صاحب کدھر ہیں تو نوکر نے کہا ان کی ہوا نکلی ہوئی ہے وہ چھت پر پنکچر پڑے ہیں۔''

نوکر (اپنے لکھ پتی آقا سے) ''حضور مجھے آپ کا وہ وقت یاد ہے جب آپ کے پاؤں میں جوتا بھی نہیں تھا۔''

مالک (گھبرا کر) ''کب۔''

نوکر ''جب آپ غسل خانے میں نہا رہے تھے۔''

محسن جاوید

ڈاکٹر نے مریض سے کہا ''میں نے جو تمھیں کھانے کے لیے کہا تھا وہ تم نے کھایا؟''

مریض نے جواب دیا ''کوشش تو بہت کی تھی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔''

''ڈاکٹر نے جھلا کر کہا ''کیا بے وقوفی ہے میں نے کہا تھا کہ جو چیزیں تمھارا تین سالہ بچہ کھاتا ہے وہی تم کھاؤ۔ تم سے اتنا بھی نہ ہوسکا۔

مریض نے بے بسی سے جواب دیا ''ہاں ڈاکٹر صاحب! لیکن میرا بچہ تو موم بتی، کوئلہ، مٹی اور جوتے کے فیتے وغیرہ کھاتا ہے۔''

اقرا مدثر حسین، دی مالیگاؤں، ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، مالیگاؤں، مہاراشٹر

نوازش کریم، درجہ: ہفتم، سٹی ہائی اسکول، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، یوپی

مومن مدثر محمد عباس، جامعۃ الہدیٰ ہائی اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

شکیل احمد، ٹوسی پیپر کالج

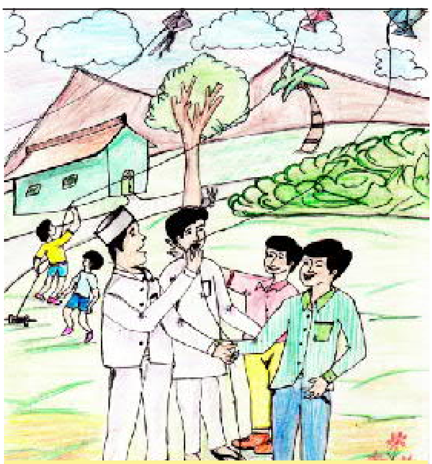

فیضان خان مشتاق خان، درجہ: ہفتم (ب)
جامعۃ الہدیٰ ہائی اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

آصف احمد مختار احمد، جونا عذرا نگر، ایل این 2، جی ایچ 83، مالیگاؤں، ناسک، مہاراشٹر

facebook اردو فیس بک

کونسل کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والا رسالہ 'بچوں کی دنیا' میں اور میری چھوٹی بہن ہر ماہ پابندی کے ساتھ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس رسالے کو ادب کی دنیا کے آسمان پر یوں ہی تابندہ رکھے۔

صدف ابتسام صفہ، جماعت ہشتم، انگلش ہائی اسکول، آکولہ (مہاراشٹر)

میں 'بچوں کی دنیا' کو کئی مہینوں سے پڑھ رہا ہوں لیکن جب میں نے اس میں شائع ہونے والی ننھے فنکاروں کی پیاری پیاری ڈرائنگ دیکھا تو میرے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی کہ میں بھی اپنی ڈرائنگ کو ایک بار اس رسالے میں شائع ہوتا دیکھوں اور اللہ نے میری دعا قبول کر لی اور میری بھی ڈرائنگ اس رسالے میں شائع ہوگئی۔ مگر آپ کے نام ٹائپ کرنے میں چھوٹی سی غلطی ہوگئی میرا نام عرشیان ہے لیکن رسالے میں عرشیہ شائع ہوا۔ 'بچوں کی دنیا' ماہ اکتوبر میں میری ڈرائنگ شائع کرنے کے لیے شکریہ!

عرشیان عقیل کھاٹک، درجہ ہفتم، شیخ امام پرائمری اسکول

واہ! کیا بات ہے۔ بھئی بہت خوب۔ دل چھولیا۔ بچوں کی دنیا کا کیا کہنا۔ ہم بچوں کے لیے 'بچوں کی دنیا' کسی الہ دین کے چراغ سے کم نہیں ہے۔ 'بچوں کی دنیا' زندہ باد!

شیخ احفاظ شیخ الیاس، برہانپور، مدھیہ پردیش

مجھے 'بچوں کی دنیا' پڑھنا بہت پسند ہے۔ میری تمام طلبا سے گذارش ہے کہ وہ پابندی سے خرید کر پڑھیں۔ سچ پوچھے تو اس رسالے نے ہم میں کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا کیا ہے۔ میں بے صبری سے بچوں کی دنیا کا انتظار کرتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اسی طرح 'بچوں کی دنیا' ہم بچوں کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

عرشیہ بی شیخ افضل، جماعت: ہشتم، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور

بہت خوب 'بچوں کی دنیا' کا کیا کہنا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ ایک ہی نشست میں پورا پڑھ ڈالا۔ واقعی 'بچوں کی دنیا' ہم جیسے نونہالوں کی رہنمائی کر رہا ہے۔ نہ صرف تعلیمی میدان میں بلکہ ہر سمت میں ہماری ذہنی وفکری تربیت کا سامان فراہم کر رہا ہے۔

صالحہ بی شیخ محمود، الحسنات اردو ہائی اسکول، رسلپور، تعلقہ راویر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

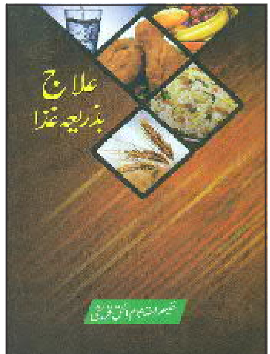

صفحات:415، قیمت: 185 روپے

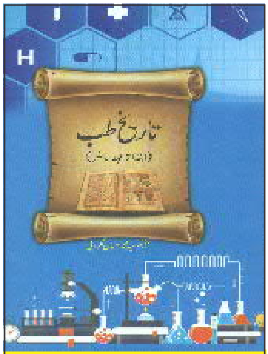

صفحات:496، قیمت:220 روپے

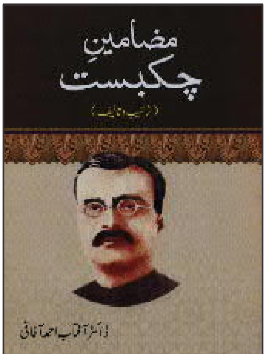

صفحات: 393، قیمت: 175 روپے

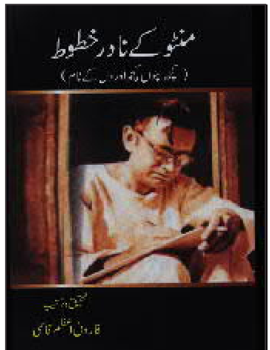

صفحات:62، قیمت: 55 روپے

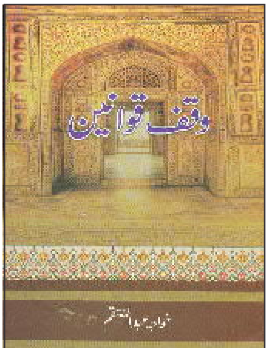

صفحات:213، قیمت:110 روپے

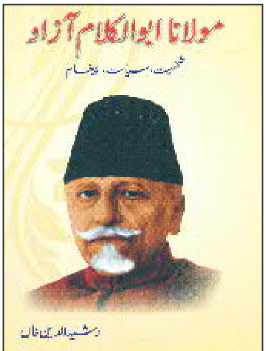

صفحات: 336، قیمت: 150 روپے

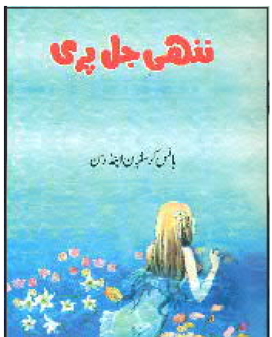

صفحات:33، قیمت: 16 روپے

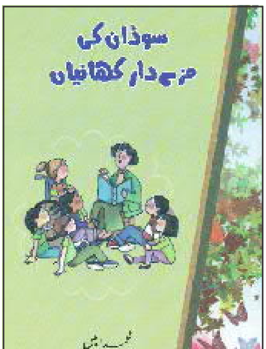

صفحات:61، قیمت:20 روپے

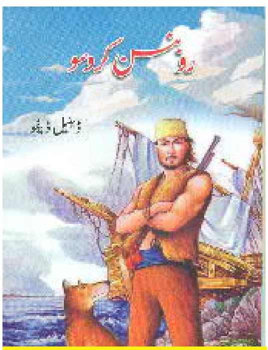

صفحات:80، قیمت: 20 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, April 2017, Vol. 05, Issue: 4
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/03/17
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

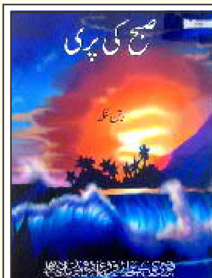

صفحات: 33، قیمت: 16 روپے

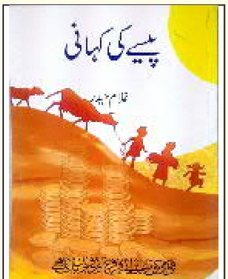

صفحات: 80، قیمت: 22 روپے

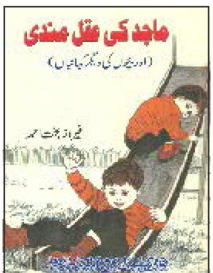

صفحات: 149، قیمت: 24 روپے

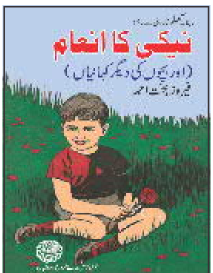

صفحات: 48، قیمت: 16 روپے

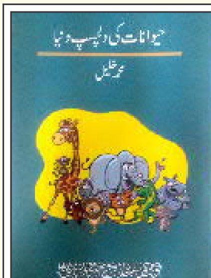

صفحات: 83، قیمت: 34 روپے

صفحات: 61، قیمت: 30 روپے

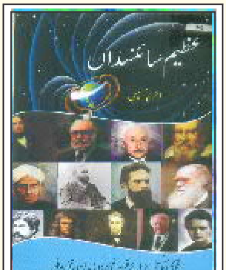

صفحات: 63، قیمت: 16 روپے

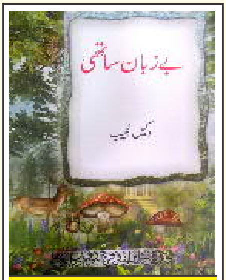

صفحات: 64، قیمت: 19 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:
شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.